ممنون از کتب خانہ خود

اہلیا بائی

جس میں

مادر ہند کی اس نامور بیٹی کی معاشرتی۔ زاہدانہ اور سیاسی زندگی اور اس کی مدبرانہ۔ رعایا نوازنہ۔ اور رواداارانہ ستائیس سالہ حکومت کا مفصل ذکر ہے

فروری سنہ ۱۹۴۱ء

محمد دین فوق

قیمت ۳/

فہرست مضامین

پیدائش ۔ بچپن ۔ اور شادی

ہندوستان کے مغل شہنشاہوں کی حکومت اقبال مندی اور سربلندی کی تمام منزلیں طے کر کے اب اُس مقام پر آ رہی تھی جہاں کمال کے لئے زوال اقبال کے لئے وبال ۔ طلوع کے لئے غروب ۔ سربلندی کے لئے نگونساری اور عزّت و شوکت کے لئے ذلّت و ادبار کا دَور شروع ہوتا ہے ۔ یہ زمانہ محمد شاہ رنگیلے کا تھا ۔ جس کو ہم مغل عہد حکومت کے آفتاب عالمتاب کی آخری جھلک کہہ سکتے ہیں ۔

اسی بادشاہ نے مرہٹوں کو جو عالمگیر کی وفات (سنہ ۱۷۰۷ء) کے بعد روز بروز زور پکڑ رہے تھے ۔ دہلی کے سوا ہندوستان کے ہر صوبہ سے چوتھ وصول کرنے کی اجازت دے رکھی تھی ۔ ٹھیک انہی ایّام میں جب مرہٹوں کے ساتھ ان کے وزراء کا بھی جن کو پیشوا کہتے تھے اقتدار بڑھ رہا تھا ۔ بلکہ پیشوا حقیقت میں راجہ اور راجے دراصل ان کے ماتحت ہوا کرتے تھے اہلیا بائی مرہٹہ خاندان کا چشم و چراغ بن کر سنہ ۱۷۳۶ء میں عالم وجود میں آئی ان ایّام میں سیواجی کی وفات (سنہ ۱۶۸۰ء) کو جو مرہٹہ اقتدار اور حکومت کا بانی تھا وفات پائے چھپّن سال کا عرصہ گذر چکا تھا اور اس کا پوتا ساہوجی[۱] مہاراشٹر[۲] کا راجہ اور باجی راؤ[۳] پیشوا تھا ۔

۱؎ وفات راجہ ساہو سنہ ۱۷۴۹ء بعمر ۶۶ سال حکومت ۴۲ سال ۔ ۲؎ احاطہ بمبئی مہاراشٹر کا علاقہ کہلاتا تھا اور راجہ کا صدر مقام ستارا تھا ۔ پیشوا کا صدر مقام پونا تھا جو بمبئی سے ۷۰ میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق میں واقع ہے ۔ ۳؎ سنہ ۱۷۲۰ء میں پیشوا ہوا وفات سنہ ۱۷۴۰ء


مہارانی اہلیا بائی

اہلیا بائی مہاجی سیندھیا کے خاندان سے تھی۔ یہی خاندان آج گوالیار پر حکمران ہے۔ اُس کا بچپن شاہی محلات میں گذرا۔ گھوڑے کی سواری سپاہیانہ طور طریق۔ مرہٹی اور ہندی کے علم میں خوب طاق تھی۔ اور یہ سب کچھ اُس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق پردہ میں رہکر حاصل کیا۔

اہلیا بائی کچھ زیادہ خوبصورت نہ تھی۔ لیکن سیرت اور قابلیت ایسی پائی تھی کہ تمام رانیاں اور حکمران خاندان کے ممبر اس کے اخلاق اور اُس کی عادات کے گرویدہ تھے۔ اس کو مذہبی تعلیم بھی بہت اچھی ملی تھی اور وہ سختی سے اپنے عقیدہ کی پابند تھی۔ بچپن اور لڑکپن اسی طرح گذر رہا تھا۔ کہ اُس کے ماں باپ کو اسکی شادی کی فکر ہوئی۔ رشتے تو بہت آتے تھے اور ایک سے ایک بڑھ کر تھا۔ لیکن یہ جوہر گراں مایہ مہاراجہ ملہار راؤ ہلکر کے فرزند کھنڈے راؤ کی قسمت میں لکھا تھا۔

چنانچہ پندرہ سولہ سال کی عمر تھی۔ کہ کھنڈے راؤ کے ساتھ اسکی شادی ہوگئی۔ دُلہن کے باپ بھی والئی ملک اور دُلہا کا باپ بھی ایک وسیع ملک کا حکمران دونوں نے اس موقعہ پر دل کھولکر روپیہ خرچ کیا۔

اہلیا بائی کے خاوند کی وفات

کھنڈے راؤ اپنی بہادری شجاعت اور وجاہت کی وجہ سے ملہار راؤ کی نظروں ہی میں عزیز نہ تھا بلکہ تمام رعایا بھی اُس پر جان دیتی تھی۔ مہاراجہ سفر و حضر میں ہمیشہ اپنے عزیز اکلوتے بیٹے کو ہمراہ رکھتا تھا۔ اور وہ بھی کوئی

کام باپ کی مرضی کے بغیر نہ کیا کرتا تھا۔
اہلیا بائی اپنے خاوند کی پوری وفادار تھی۔ اور کھنڈے راؤ بھی ہمیشہ اسکی دلجوئی کیا کرتا تھا۔ اور کبھی اسے شکایت کا موقعہ نہ دیتا تھا۔ غرض باپ بیٹے پر فدا اور بیٹا باپ کا فرماں بردار تھا۔ اہلیا بائی اور کھنڈے راؤ محبت سے بھرپور پُرلطف زندگی بسر کر رہے تھے۔ کہ ان کی بدقسمتی سے دہلی میں ایک ایسا واقعہ ہوا۔ جس نے ریاست ہلکر (اندور) کے ہر گھر اور خصوصاً شاہی محلوں کو ماتم کدہ بنا دیا۔

اس واقعہ[1] کی تفصیل یہ ہے کہ محمد شاہ رنگیلے کے بیٹے احمد شاہ بادشاہ دہلی میں اور وزیر الممالک (صوبہ اودھ) میں کسی بات پر بگاڑ ہو گیا۔ عماد الملک نے جو آصف جاہ کا پوتا اور بادشاہ کا طرفدار تھا۔ ملہار راؤ ہلکر اور جی آپا سیندھیا کو زرِ کثیر دینے کا اقرار کر کے اپنی مدد پر بلایا۔ لیکن اس کا یہ داؤ نہ چل سکا اسلئے کہ ان دونوں سرداروں کے دہلی پہونچنے سے پیشتر ہی بادشاہ اور وزیر الممالک میں صلح ہو گئی تھی۔ اور وزیر الممالک صوبہ اودھ کو چلے گئے تھے۔

جب دونوں سردار اپنی فوجوں سمیت دہلی آ گئے تو عماد الملک بہت پریشان ہوا۔ اور اس آفت سے بچنے کے لئے ان کو سورج مل جاٹ بھرت پور والے کے ساتھ جنگ کرنے کو بھیجدیا۔ چنانچہ بھرت پور میں لڑائی ہوئی اور خوب ہوئی ملہار راؤ نے قلعہ کمہیر کا محاصرہ کیا۔ جہاں سورج مل قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ یہ

---

[1] تاریخ مالوہ جلد سوم صفحہ ۸۱۹ پر اس واقعہ کا ذکر ۱۱۶۷ھ کے حالات میں درج ہے۔

جنگ بہت دنوں تک جاری رہی۔ کھنڈے راؤ اس لڑائی میں سب سے پیش پیش تھا۔ اُس نے ایک دن اس زور سے حملہ اور ہلہ کیا کہ قلعہ کی فصیل کے پاس جا پہونچا لیکن اُسی وقت قلعہ کے اندر سے ایک گولی ایسی سیدھی آئی جو اس کے سینہ کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ یہ گولی اس کے لئے پیغام اجل ثابت ہوئی۔ اور یہ ہونہار اور بہادر نوجوان وہیں سرد ہو گیا۔

ملہار راؤ کی نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ ایک ہی فرزند تھا۔ وہ آنکھوں کے سامنے رخصت ہو گیا۔ یہ خبر اندور پہونچی۔ تو کہرام مچ گیا۔ ہر گھر سے رونے پیٹنے کی آواز آتی تھی۔ اہلیا بائی کی عمر اسوقت ۲۹ سال تھی اس جوانی میں اس کو بیوگی کا صدمہ اُٹھانا پڑا اور اس پر زیادہ ستم یہ کہ اس کو اپنے پتی کا آخری دیدار بھی نصیب نہ ہوا۔

اہلیا بائی پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اس کے لئے اگر کچھ تسلّی کا باعث تھا تو اس کے دو بچے تھے جن میں ایک فرزند تھا جس کا نام مالی راؤ تھا۔ اور ایک راجکماری مچتا بائی نام تھی۔ یہی دونوں اب اس کے دل کا بہلاوا تھے

اہلیا بائی کی بیوگی کے ایام

خاوند کی وفات کے بعد اہلیا بائی نے جو ابھی جوانی اور شباب کے عالم ہی میں تھی۔ زیورات اور جواہرات کا استعمال بالکل ترک کر دیا۔ زیب و زینت کی تمام اشیاء بالائے طاق رکھدی گئیں۔ رنگین کپڑے جو سہاگ خوشی اور مسرّت کی زندگی کا لازمہ سمجھے جاتے تھے پہننے چھوڑ دئے۔ وہ

یا تو پوجا پاٹھ میں مصروف رہا کرتی یا بچّوں کی نگہداشت اور حفاظت میں مصروف رہتی۔ دان پُن اور خیر خیرات اس کا خاص مشغلہ تھا۔ اور صدہا لوگ اس کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔

جب ۱۸۰۰ء میں سرجی راؤ کھاڑکیہ اور نواب امیر خان پنڈورہ ٹونک والے نے ہلکر کے ملک کو لوٹ کر برباد کیا ہے۔ اور مہاراجہ ہلکر اہلیا بائی کے زیورات خزانہ سے لے کر بندھیاچل کے پہاڑ جام گھاٹ پر چلا گیا ہے۔ تو انہی زیورات کی مدد سے اس نے اپنی بھوکی اور تباہ حال فوج کو فی سوار پانچ پانچ روپیہ کی طلائی تیلی دے کر راضی کیا ہے۔

اس واقعہ سے قبل ۱۷۹۸ء میں جب مہاراجہ کاشی راؤ[۱] خلف تکو جی راؤ ہلکر کو جو پست فطرت۔ کم ہمت اور کاہل وسست حکمران تھا تمام مرہٹے سرداروں نے تخت سے اُتار کر اس کے چھوٹے بھائی جسونت راؤ کو گدی پر بٹھادیا۔ تو جسونت راؤ مہاراجہ ہلکر بن کر اہلیا بائی کے خزانہ کی تلاش کے لئے مہیسر آئے۔ اور آخر بڑی تلاش و تفتیش کے بعد انہیں ایک خفیہ خزانہ ملا جس میں بے شمار جواہرات اور زیورات تھے اسی روپیہ سے انہوں نے فوج کو تنخواہ دے کر خوش کیا تھا۔

اس سے اندازہ لگانا چاہئے کہ اہلیا بائی کے زیورات جن کا استعمال اس نے خاوند کی وفات کے بعد ترک کر دیا تھا کس قدر بیش

[۱] اہلیا بائی کی وفات کے بعد اس کا سپہ سالار تکو جی ہلکر جس کا ذکر آئندہ آئیگا مہاراجہ قرار پایا اس کے چار فرزند تھے کاشی راؤ۔ ملہار راؤ ثانی۔ جسونت راؤ۔ ایٹھوجی۔ ان میں اول الذکر تینں یکے بعد دیگرے مہاراجہ ہلکر کہلائے۔

کے ہوں گے ؎

مہاراجہ ملہار راؤ کا انتقال

مہاراجہ ملہار راؤ نے اپنی پدرانہ شفقتوں سے اپنی نوجوان بیوہ بہو کو اس کے جان نثار خاوند کی موت کا غم بھلا رکھا تھا۔ وہ ہر وقت اور ہر طرح اسکی دلجوئی کیا کرتے تھے۔ اسکی اور اسکی اولاد کی خاطر خزانوں کے منہ کھول رکھے تھے۔ کبھی اسکو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے دیتے تھے۔ اہلیا بائی بھی ہمیشہ اپنے شفیق خسر کی فرماں بردار رہی۔ اور ان کو اپنا مہربان اور شفیق باپ ہی تصور کرتی رہی۔ اور ان کے ادب و احترام میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

وہ اپنے مستقبل سے بے فکر اسی طرح اپنی بیوگی کے ایام گذار رہی تھی۔ کہ اپنے خاوند کی موت کے دس سال کے بعد اس کو اپنے شفیق و مہربان خسر مہاراجہ ملہار راؤ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جس نے چالیس سال کی شاندار حکومت کے بعد سنہ ۱۷۶۸ء[1] میں بعمر ۷۶ سال بمقام عالم پور[2] (بندھیل کھنڈ) انتقال کیا۔

---

[1] مطابق سنہ ۱۱۷۷ھ صفحہ ۸۰۲۲ تاریخ مالوہ جلد سوم۔

[2] عالم پور گوالیار سے چالیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جہاں مہاراجہ ملہار راؤ کی چھتری بنی ہوئی ہے جو ملہار گنج کے نام سے موسوم ہے۔ چھتری کے اخراجات کے لئے چند گاؤں وقف ہیں۔ جن سے چھتری کے خادموں اور نگہبانوں کے مصارف پورے ہوتے ہیں۔

مہاراجہ ملہار راؤ مرہٹوں کے نہایت محبوب سردار تھے۔ انہوں نے جے پور اور کئی اور راجپوت ریاستوں سے باج وخراج لیا اور ان کو زیر رکھنے کے باوجود ان سے ایسا نیک سلوک کرتے رہے کہ بقول صاحب تاریخ مالوہ راجپوت سردار اب تک ان کو ادب و تعظیم سے یاد کرتے ہیں۔

ملہار راؤ سخی اور فیاض رئیس تھے۔ ان کے مصاحب اور مشیر ان کی خیرات وسخاوت میں ہمیشہ ان کو کمی کا مشورہ دیا کرتے لیکن وہ کسی کی نہ سُنتے تھے۔ ان کا سلوک جس طرح اپنی قوم مرہٹہ کے لوگوں سے تھا وہی سلوک وہ اپنی رعایا کے ہر طبقہ کے افراد سے بھی کرتے تھے۔ ان کے دل میں کوئی تعصب کسی قوم کی طرف سے نہ تھا۔ وہ اپنے مذہب کے سختی سے پابند تھے۔ اور اپنے قول و اقرار کو دھرم کا ایک جزو سمجھ کر نباہتے تھے۔ ملہار راؤ کی یہ باتیں اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ یہی تعلیم و تربیت ان کی نیک دل بہو کو بھی ان کی زیرنگرانی ملی تھی جس کا ذکر آئندہ اپنے موقعہ پر ہوگا۔

مہاراجہ مالی راؤ فرزند اہلیا بائی کی حکومت

مرہٹہ سرداروں کی جانشینی عموماً پیشوا کے حکم سے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ دادا کی وفات کے بعد ۱۷۶۸ء میں پیشوا کے ایک معتمد افسر رگناتھ راؤ نے مالوہ سے آکر مالی راؤ کو جو اُس وقت شباب کے آغاز میں تھا ایک قیمتی خلعت دیکر ملہار راؤ کا جانشین تسلیم کیا۔ اسکی جانشینی پر اب اہلیا بائی گویا ہلکر کے وسیع ملک کی راج ماتا تھی۔

۲؎ اردو زنانہ کورس محکمہ تعلیم پنجاب کے صفحہ ۲۷۸ پر اہلیا بائی کے حالات میں مہاراجہ ملہار راؤ کا سن وفات ۱۷۶۵ء درج ہے۔ جو مالوہ کی قدیم تاریخ۔ تاریخ مالوہ دسن تالیف ۱۸۴۰ء کے مطابق درست نہیں ہے۔ وہاں ۱۷۶۸ء درج ہے۔

اہلیا بائی نے اپنے فرزند کو جس قسم کی تربیت دی تھی اور مہاراجہ ملہار راؤ نے قابل سے قابل آدمی جو مالی راؤ کی تعلیم کے لیے مقرر کئے تھے اور انہوں نے اپنے ملک کے آئندہ حکمران ہونے والے راجکمار کو جس قسم کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم دی تھی اس سے اہلیا بائی کو پوری امید تھی کہ اس کا فرزند اپنے باپ دادا کا نام روشن کریگا۔ اور جب تک مالی راؤ راجکمار اور ولیعہد اور بے اختیار تھا۔ اس سے اس قسم کے کوئی آثار بھی ظاہر نہوئے تھے جس سے ملک کو اس سے کوئی مایوسی پیدا ہوتی۔ لیکن حکمران ہوتے ہی رفتہ رفتہ اس کے خیالات اور خیالات میں ایک ناخوشگوار تبدیلی پیدا ہونے لگی پہلے دیوانگی کے آثار ظاہر ہوئے اور ایسی بے عقلی اور بیوقوفی کی باتیں وہ کرنے لگے۔ کہ لوگ ابتدا میں ان کی خام طبعی اور ناتجربہ کاری پر ان کو محمول کرکے بے پرواہی سے دیکھتے رہے۔ ایکدن کسی پر مہربان ہوتے تھے اور وہ ان کی مہربانیوں سے ابھی کچھ فائدہ بھی نہ اٹھاتا تھا۔ کہ دوسرے دن نامہربان ہو کر اس کو جیل میں ٹھونس دیتے تھے لیکن بہ آخر ان کی اس قسم کی حرکتوں سے ملک میں ایک بے چینی سی پیدا ہونے لگی۔

اہلیا بائی پر حکمران بیٹے کی حرکتوں کا اثر

اہلیا بائی کو جب بیٹے کی بے جا اور ناروا حرکتوں کا علم ہوتا تھا تو انہیں بہت صدمہ پہونچتا تھا۔ اس کو اپنے پاس بلاتی اور سمجھایا کرتی اور اس کے باپ دادا کے کارنامے سنا کر اسکو گرمایا کرتی تھی۔ لیکن اس کے دماغ کی گرمی کے آگے اہلیا بائی کی نصیحتوں اور ہدایتوں کی تمام سرگرمیاں ٹھنڈی ہو جایا کرتی تھیں۔

اہلیا بائی سمجھتی تھی کہ اگر کسی معمولی شخص میں دیوانگی کے آثار ظاہر ہو جائیں تو اس کا صدمہ اس کے والدین یا عزیز و اقارب کو ہوتا ہے۔ اور پھر یہ کہ اسکی دیوانگی سے

ملک یا قوم کو کوئی خاص نقصان بھی نہیں پہونچتا۔ لیکن اگر کسی ملک کے بادشاہ میں اس قسم کے آثار ظاہر ہو جائیں تو اسکی دیوانگی نہایت خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے اور وہ پگلا مہاراجہ یا پگلا نواب اپنی دیوانگی کے بیہودہ احکام سے قوم کی قوم اور ملک کے ملک کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔

یہی سبب تھا کہ وہ ایک طرف تو اپنے بیٹے کو نیک کاموں کی طرف راغب کیا کرتی اور دوسری طرف ملک کے لایق اور قابل حکیم اور وید اس کے علاج کے لئے مقرر کرتی۔

اہلیا بائی برہمنوں پر خاص طور پر مہربان تھی۔ اس کو مذہبی اور اخلاقی تعلیم برہمنوں ہی کے ذریعہ ملی تھی اسلئے وہ ان کی خدمت اپنے مذہبی فرائض میں سمجھتی تھی۔ اور چونکہ پیشوا بھی مذہباً برہمن تھا اسلئے وہ اس کے اس طرز عمل سے ہمیشہ خوش رہتا تھا۔ لیکن مہاراجہ مالی راؤ ماں کے اس عقیدہ کے بالکل خلاف تھا۔ ایک ایسا پاگل جسکے اختیار میں کچھ نہ ہو بلکہ جو دوسروں کے اختیار میں ہو۔ چنداں نقصان رساں نہیں ہے لیکن وہ پاگل جس کے اختیار میں بہت کچھ ہو اور جو حکم احکام دینے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور پھر اسکے احکام کی تعمیل کے لئے لوگ بھی موجود ہوں۔ بہت ظلم کر سکتا ہے یہی حال مالی راؤ کی دیوانگی کا تھا وہ برہمنوں کی بہت بے عزتی کرتا تھا۔ ان کے کپڑوں اور ان کے جوتوں کے اندر بچھو رکھوا تا اور وہ کپڑے ان کو بخش دیتا اور اپنے روبرو اُن کو ان کے پہننے کا حکم دیتا۔ وہ غریب جب پہنتے تو بچھو اُن کو ڈنک مارتے وہ روتے چلاتے۔ مالی راؤ یہ دیکھکر خوش ہوتا اور تالیاں بجاتا۔

اہلیا بائی یہ اندوہناک خبریں سنتی اور اپنے سر پر ہاتھ مار کر روتی اور فرماتی میرا بیٹا انسان نہیں کوئی دیو خصلت ہے کہ اس طرح کے ظلم کر کے خوش ہوتا ہے

وہ ہر وقت اپنے فرزند کی دیوانگی کے غم و الم میں گھری رہتی تھی۔ اور جس قدر ظلم اسکے فرزند کے ہاتھ سے لوگوں پر ہوتے تھے۔ ان کے لئے خدا کی جناب میں معافی مانگتی تھی۔ اور کفارہ کے طور پر خیرات کیا کرتی تھی۔

مہاراجہ مالی راؤ کا ظلم ایک بے گناہ پر

مہاراجہ مالی راؤ کی طبیعت دیوانگی اور آئے دن کے نت نئے احکام کی وجہ سے برقرار نہ رہتی تھی۔ انہیں بات بات پر غصہ آتا تھا اور کسی تحقیقات اور غور و فکر کے بغیر قتل کا حکم دے دینا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ عین جوانی میں ان کی موت کا سبب بھی ان کی دیوانگی ہی بتایا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے[1] کہ ایک زردوز کے خلاف کسی نے کوئی شکایت کی۔ آپ کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ اسکو بلوا کر فی الفور اسکے قتل کا حکم دے دیا۔ زردوز نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ مہاراج! مجھ بے گناہ کا خون خالی نہ جائے گا میرے خون کا ایک ایک قطرہ بھوت بن کر آپ کو چمٹ جائے گا اور جب تک جان نہیں لے لیگا نہیں چھوڑیگا۔ غرض اس زردوز نے بہت کچھ آہ و زاری بھی کی، ڈرایا دھمکایا بھی لیکن مہاراجہ کے دل میں مطلق رحم نہ آیا۔ البتہ بھوت کے خوف سے یہ کیا کہ قتل کرانے کی بجائے اسکو ہاتھی کے پاؤں تلے دبوا کر مروا ڈالا۔

اس کے بعد خاندان ہلکر میں یہ دو روایتیں چلی آتی ہیں کہ وہ زردوز واقعی

[1] تاریخ مالوہ میں خاندان ہلکر کی روایات اور دکنی اور مرہٹی تاریخوں کے حوالہ سے اس واقعہ کا مفصل ذکر صفحہ ۸۲۴ و ۸۲۵ میں درج ہے۔

جادوگر تھا بھوت بن کر مہاراجہ کو چمٹ گیا اور جب تک اُس نے اسکو ہلاک نہ کر دیا اسکا پیچھا نہ چھوڑا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب بعد میں مہاراجہ کو معلوم ہوا کہ وہ زردوز واقعی بے گناہ تھا تو ان کو اس قدر افسوس بلکہ صدمہ ہوا کہ ان کی دماغی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی۔

آسیب زدہ بیٹے کے علاج کیلئے اہلیا بائی کی کوششیں

ماں کی مامتا بُری ہوتی ہے۔ معمولی مائیں اپنے پاگل بیٹوں کے لئے کیا کچھ نہیں کرتیں اور اہلیا بائی تو ایک مہاراجہ کی ماں تھیں اپنے بیٹے کے لئے جو کچھ کرتیں تھوڑا تھا۔ جب ان کو بیٹے کے آسیب زدہ ہونے کی خبر ہوئی اور اُس کی حرکات سے اس کا مزید ثبوت بھی ملنے لگا۔ تو وہ اپنی بدقسمتی پر سر پیٹ کے رہ جاتی تھیں ان کے لئے سب سے کڑا صدمہ نوجوانی میں ان کے جواں مرگ خاوند کی وفات تھی اگر ان کی اولاد نہ ہوتی تو بالکل ممکن تھا وہ دیوانہ وار ستی ہو جاتی۔ خاوند کے بعد اُن کو اپنے خسر مہاراجہ ملہار راؤ کا سہارا تھا۔ جن کی شفقتیں ان کے اطمینان قلب کا باعث تھیں۔ اب بیٹا مہاراجہ ہوا تھا تو خوشی کے شادیانے تمام ملک میں بجوائے تھے لیکن چند ہی دنوں کے بعد بیٹے نے اپنی دیوانگی سے وہ حرکات ناشائستہ کیں کہ ماں کی حالت غم کے مارے بعض اوقات غشی تک پہونچ جاتی تھی۔

اب زردوز کے ہاتھی کے پاؤں تلے مروانے اور اس واقعہ کے بعد مہاراجہ کی بہکی بہکی باتیں کرنے سے اسے اور بھی ملال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ جس ہاتھی سے انہوں نے زردوز کو مروایا تھا اُسی پر سوار ہو کر محل کو واپس آ رہے تھے۔ اور ابھی گھر تک

پہونچے بھی نہ تھے کہ ہاتھی پر سواری کی حالت ہی میں واہی تباہی بکنے لگے۔

اہلیا بائی بھوت پریت کی قایل تھیں وہ بیٹے کو اپنے سامنے بٹھاتیں اور اس خیال سے کہ وہ زردوز واقعی میرے بیٹے کے سر پر بھوت بن کر چڑھا ہوا ہے۔ اُس سے باتیں کرتی تھیں اور بعض باتوں کا جواب بھی پاتی تھیں۔

تاریخ مالوہ میں لکھا ہے وہ بھوت سے مخاطب ہو کر کہتی تھیں اے ہٹوہ[لے] میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دے اُس نے نادانی میں یہ حرکت کی ہے۔ میں ہاتھ جوڑ کر تیری بنتی کرتی ہوں میرے بیٹے کا قصور معاف کر میں تیری چھتری بنوا دوں گی تیری اولاد کے لئے جاگیر لگا دوں گی تیری چھتری کے تمام اخراجات بھی برداشت کرونگی تیرا بھوگ لگایا کروں گی جس قسم کا اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا تجھے پسند ہوگا وہ کھلاؤنگی اے ہٹوہ میرا ایک ہی بیٹا ہے میں بہت دُکھی ہوں اس کے سوا میرا کوئی وارث نہیں۔ مجھ پر رحم کر۔ رحم کر۔ رحم کر۔

ہٹوہ کی طرف سے اہلیا بائی کو جواب ملتا تھا۔ "بائی تیرے ظالم بیٹے نے مجھ بے گناہ کو ہاتھی کے پاؤں تلے مروا ڈالا۔ لیکن اس کی بڑی خوشامد کی بڑا رویا پیٹا لیکن اُس نے میری ایک نہ سُنی میں سراسر بے گناہ تھا۔ لیکن اُس نے مجھ پر کچھ رحم نہ کیا۔ اب میں اس ظالم پر جس نے اس قسم کے صدہا خون کر دئیے ہیں کسطرح رحم کر سکتا ہوں۔ میں تجھ کو کچھ نہیں کہتا۔ مجھے تیرے بیٹے کی جان لینے کے سوا اور کسی سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

جب اہلیا بائی بھوت سے یہ جواب سُنتی تو روتی ہاتھ جوڑتی اور منتیں کرتی

[لے] تاریخ مالوہ میں زردوز بھی لکھا ہے اور ہٹوہ بھی شاید اس طرف زردوز کو ہٹوہ ہی کہتے ہونگے۔

لیکن بھوت ہزار منتوں اور ہر قسم کے لالچ کے باوجود بھی مالی راؤ کے سر سے نہ اُترتا
تھا اور یہی کہے جاتا تھا کہ میں تمہارے بیٹے کی جان لئے بغیر یہاں سے نہ جاؤنگا۔
اہلیا بائی نے بڑے بڑے عامل اور جادوگر بُلوائے جو ہزاروں روپے لیگئے لیکن
کوئی بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ بائی پوجا پاٹ کرتی اور بیٹے کے اچھا ہونے کی دعائیں مانگتی
اور بھوت سے کہتی تھی جب تک جیئوں گی تیری لونڈی ہو کے رہوں گی تیرے روبرو
ہاتھ جوڑے کھڑی رہوں۔ میری جان لیلے اور میرے بیٹے کو چھوڑ دے وہ بھوت جواب دیتا
تھا۔ میں اس ظالم بے رحم کو کبھی جیتا نہ چھوڑونگا۔ تیرا رونا اور ہاتھ جوڑنا اور مجھے
جاگیر کا لالچ دینا سب بیکار ہے۔

غرض کئی دن اسطرح گذر گئے۔ آخر ۱۷۶۹ء میں اہلیا بائی کا نوجوان
فرزند جو ابھی عمر کی بیس منزلیں بھی طے نکرنے پایا تھا۔ انتقال کر گیا۔ اسکی حکومت
صرف نو مہینے تک رہی تھی۔

اہلیا بائی بطور حکمران اور ابتدائی مشکلات

خاوند مہاراجہ بننے والا تھا وہ چل بسا۔ خسر ملہار راؤ مہاراجہ تھا وہ نہ رہا۔
بیٹا مہاراجہ بنا تو وہ بھی رخصت ان پے درپے صدموں نے اہلیا بائی کی صحت پر
ضرور بُرا اثر کیا لیکن اس بہادر اور مستقل مزاج عورت نے خاوند خسر اور فرزند کی
دائمی مفارقت میں جیتے جی مرجانا اور ہمت ہار کر ہائے وائے کرتے رہنا مناسب
نہ جان کر ملک کی درستی کی طرف توجہ کی۔ اسکی ایک بیٹی بھی تھی جو مالی راؤ سے
بڑی تھی چونکہ اس کی شادی ہو چکی تھی اسلئے حکومت وسلطنت کے معاملہ میں اس نے

بیٹی اور داماد کا مشورہ لئے بغیر خود تخت اندور پر قدم رکھا۔
ابتدا میں فتنہ و فساد بھی اُٹھا بعض لوگوں نے عورت کی حکومت سے علانیہ اپنی نارضگی کا اظہار کیا۔ بعضوں نے ان کے اختیارات کم کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن اہلیا بائی کی ہوشیاری اور دانائی نے کسی مخالف کی پیش نہ جانے دی۔ البتہ ریاست کا وزیر گنگا دھر جسونت پنڈت جو ملہار راؤ کے زمانہ سے دیوان چلا آتا تھا۔ اہلیا بائی کے اختیارات کم کرانے کے لئے پیشوا کے معتمد راگھو بابا کے پاس گیا۔ اور اس سے کہا اگر آپ میری اس تجویز سے کہ اہلیا بائی ایک لڑکا گود میں لے کر اسکو ملک کا وارث قرار دے۔ اتفاق کریں گے۔ اور میری مدد کریں گے تو میں نہ صرف ہمیشہ فرماں بردار اور شکر گذار ہونگا بلکہ کافی نذرانہ بھی پیش کروں گا۔ جب دیوان نے راگھو بابا کو اپنے دام میں پھنسا لیا تو واپس آکر بائی صاحبہ سے کہا آپ کو بیشک تجربہ بھی ہے آپ میں حکومت کی لیاقت بھی ہے اور آپ صحیح معنوں میں ملک کی وارث ہیں لیکن بعض لوگوں کے خیال میں جب تک مرد حکمران ملک نہو ریاست کی بہتری نہیں ہو سکتی۔ آپ کی قابلیت تسلیم کرنے اور آپ کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کے باوجود میری بھی یہی رائے ہے کہ اس طریق سے ہلکروں کا نام اپنا رہے گا اور اُن کا راج قایم رہے گا۔ بغیر مرد کے فوج کس طرح قابو میں رہے گی۔ پیشوا کو مدد کی ضرورت ہوگی تو آپ کسطرح فوج کی کمان کر سکیں گی۔ اور اس کے علاوہ خود پیشوا کے معتمد راگھو بابا کی یہ خواہش ہے کہ رانی صرور ہلکر کے خاندان سے کسی لڑکے کو گود میں لے کر اُس کے نام پر حکومت کرے اور جب وہ جوان ہو جائے تو ملک و مال اس کے سپرد کر دے اگر آپ انکار کریں گی تو بڑا فتور پیدا ہوگا راگھو بابا زبردستی کسی لڑکے کو آپ کی

گود میں دے گا لصبورت انکار راج جاتا ہے گا اور اس کا مقابلہ ہو سکیگا۔
رانی اہلیا بائی سمجھ گئی کہ یہ ساری کارستانی دیوان کی اپنی پیدا کردہ ہے وہ اس بہانے سے میری حکومت چھیننا چاہتا ہے۔ اور کسی لڑکے کو گود میں دے کر اور اپنی پارٹی بنا کر اپنا الّو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے اپنے دیوان کو اس کے اس مشورہ کا جو جواب دیا اس سے اہلیا بائی کے فہم و فراست کا پتہ چلتا ہے۔ اُس نے کہا تمہاری یہ تجویز نہایت غیر معقول ہے اور اُس سے ملک خاندان کی سخت سُبکی اور بے عزتی ہے۔ راگھوبابا کون ہے جو زبردستی میری مرضی کے خلاف کسی لڑکے کو میری گود میں بٹھا دے گا۔ اگر راگھوبابا نے یہ تجویز تمہارے سامنے پیش کی تھی تو تمہاری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے اُس کو دو ٹوک جواب دیتے اور صاف کہتے کہ مالی راؤ کی وفات کے بعد مہاراجہ ملہار راؤ کا اہلیا بائی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے۔ میں ایک مہاراجہ کے بیٹے کی جو زندہ رہتا تو مہاراجہ کہلاتا رانی ہوں اور ایک مہاراجہ کی حقیقی ماں ہوں۔ یہ ملک میری وراثت ہے۔ میرا اختیار ہے میں خود حکومت کروں یا جب مناسب حالات پاؤں کسی کو سردار بناؤں۔
دیوان خاموش تھا کاٹو تو مُنہ میں زبان نہ تھی۔ جب وہ چلا گیا تو اہلیا بائی نے اپنے بڑے بڑے معتمد سرداروں کو بُلا کر دیوان اور راگھوبابا کی تجویز سے آگاہ کیا اور یہ بھی کہا کہ میں ان کی تجویز کو جیتے جی کبھی کامیاب ہونے دوں گی۔ سب سرداروں نے اہلیا بائی کی رائے سے اتفاق کیا اور اپنی وفاداری پر پختہ قول اقرار کرنیکے بعد سب نے کہا کہ اگر راگھوبابا دخل دے گا۔ تو ہم سب اُسکے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

دیوان نے جب دیکھا کہ میں نے جو منتر راگھو بابا کے بعد اہلیا بائی پر پڑھا تھا وہ کارگر نہیں ہوا۔ بلکہ ریاست کے سردار بھی میرے خلاف بھرے ہوئے پھرتے ہیں۔ تو وہ دوبارہ راگھو بابا کے پاس گیا اور اس سے ایک سخت تحریر بائی صاحبہ کے نام لکھوائی جس کے آخری الفاظ یہ تھے "ہماری تجویز منظور کر کے کسی لڑکے کو گود میں لے لو اور تمام کام دیوان ریاست کو سپرد کرو۔ ورنہ ہم بلا تاخیر آئینگے اور زبردستی لڑکا گود میں دیں گے"

اہلیا بائی نے راگھو بابا کو اس تحریر کے جواب میں لکھا۔ "عورتوں سے جنگ کرنا اور پھر بلا وجہ مردوں کے شایانِ شان نہیں ہے۔ ہم سے لڑائی مول لیکر بدنامی کے سوا اور کیا حاصل کرو گے۔ عزت چلی گئی تو واپس نہیں آسکیگی۔ اگر تم نے فتح پائی تو دنیا یہی کہے گی کہ مقابلہ پر عورت ذات تھی جیت لیا تو کونسا پہاڑ ڈھا لیا۔ اور اگر تم کو شکست ہو گئی۔ کیونکہ لڑائی میں یا فتح ہے یا شکست اور تمہیں جان بچا کے بھاگنا پڑا تو قیامت تک بدنامی و رسوائی کا یہ داغ تمہاری پیشانی سے نہ مٹ سکیگا" رانی نے اس خط کے علاوہ دوسری چال یہ چلی کہ پیشوا کو راگھو بابا کے تشدد اور اپنے دیوان کی سازش کی اطلاع دے کر تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔

جب راگھو بابا کو رانی کا یہ جواب ملا۔ تو وہ لڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔ ادھر اہلیا بائی بھی پردہ کو خیرباد کہکر مردانہ وار مقابلہ کے لئے نکلی۔ ہاتھی کے ہودج میں چار کمانیں باندھیں۔ تیروں کے ترکش رکھوائے اور ہتھیار باندھکر فوج ہمراہ لے لی۔ راگھو بابا نے مہاجی سیندھیا اور جالوجی بھوسلہ

کو اپنی مدد کے لئے بُلایا لیکن ان دونوں نے انکار کر دیا۔ اور لکھا گھر میں شکار کھیلنا کیا بہادری ہے اپنے ہی بنائے ہوئے سرداروں کی عورت سے لڑتے ہو۔ ہمیں اہلیا بائی سے کسی صورت میں لڑنا منظور نہیں ہے۔ اور نہ ہم ہلکر کے خاندان کو کسی طرح مٹنے دیں گے۔ ابھی یہ تکرار جاری تھی اور قاصد ایک دوسرے کے پیام لے کر آتے جاتے تھے۔ اور ابھی لڑائی شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ پیشوا کا ایک خاص معتمد پونا سے راگھوبابا کے نام یہ تحریری حکم لے کر آیا کہ خبردار اہلیا بائی سے ہرگز نہ اُلجھنا اور کسی قسم کی زیادتی اُس پر نہ کرنا اہلیا بائی ہلکر کے خاندان کی محترم خاتون ہے۔ اس کو ہلکر خاندان کا بزرگ سمجھو۔ اور خبردار کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے اہلیا بائی کو تکلیف اور رنج پہونچے۔

اہلیا بائی پر بیٹے کی ہلاکت کا اتّہام

کچھ شک نہیں کہ گنگا دھر دیوان مہاراجہ ملہار راؤ کے زمانہ تک خاندان ہلکر کا بڑا خیرخواہ رہا۔ اسکی نمک حلالی اور وفاداری نے اُس کو والیٔ ملک کا محبوب بنا رکھا تھا۔ لیکن مالی راؤ کی وفات کے بعد جب اُس نے اہلیا بائی کو اپنے کامل اختیارات میں روڑا اٹکاتے دیکھا اور جب اہلیا بائی نے اُسکی اس تجویز سے کہ کسی لڑکے کو گود میں لیکر اُسے مہاراجہ نامزد کر دیا جائے۔ کھُلے الفاظ میں مخالفت کی تو اُس نے اہلیا بائی کو بدنام کرنے اور اُس کے خلاف رعایا کے جذبات بھڑکانے کے لئے یہ مشہور کر دیا۔ کہ اُس نے خود حکومت سنبھالنے کے لئے اپنے بیٹے کو مروا دیا ہے۔ لیکن جو محبّت اہلیا بائی کو اپنے فرزند سے تھی اُس کو ایک زمانہ جانتا

تھا اور جس کوشش سے اُس نے اپنے بیٹے کا علاج کرایا تھا اور پھر جس طرح وہ بھوت کے وہم میں مبتلا ہو کر اپنے بیٹے کی جان کی سلامتی کے لئے بھوت کے آگے ہاتھ جوڑتی اور روتی رہتی تھی اُس سے بھی سب لوگ واقف تھے۔ اسلئے کسی نے اس افترا اور تہمت پر یقین نہ کیا۔ بلکہ دیوان خود بدنام ہو گیا۔

دیوان کو جب اسمیں بھی ناکامی ہوئی اور اہلیا بائی نے اس کے کہنے پر کسی کو لے پالک بھی نہ بنایا بلکہ پیشوا مادھو راؤ نے راگھوبا کو اہلیا بائی کے ساتھ چھیڑ خانی کرنے سے سختی سے منع کیا۔ تو اُس کو اپنی فکر دامن گیر ہوئی اور اُس کو اب ہر وقت اپنی جان خطرے میں نظر آتی تھی۔

آخر اُس نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر کے اہلیا بائی سے معافی مانگی اور اپنی سابقہ خیر خواہیوں کو اپنا وسیلہ بنا کر اہلیا بائی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بائی تو نہایت ہی رحم دل تھی اور وہ انتقام کی بجائے عفو اور معافی کی لذت سے آشنا تھی وہ احسان کر کے مخالف کو زیر کرنا جانتی تھی۔ اُس نے گنگا دھر کی تمام تقصیریں معاف کر دیں اور اُسکو دیوانی کے عہدہ پر بحال رکھا۔

تکوجی ہلکر افواج ہلکر کی سپہ سالاری پر

اہلیا بائی نے اختیارات حکومت لے کر اور راگھوبا کے حملوں سے نجات حاصل کر کے سب سے پہلے ملک کا انتظام کرنے کے لئے مہاراجہ ملہار راؤ کے ایک عزیز تکوجی[1]

[1] تکوجی کے باپ کا نام جانوجی ہلکر اور جانوجی کے باپ کا نام ہوکاجی ہلکر تھا۔ ہوکاجی اور کھنڈوجی حقیقی بھائی تھے اور کھنڈوجی کا فرزند مہاراجہ ملہار راؤ تھا گویا تکوجی مہاراجہ ملہار راؤ کے چچازاد بھائی ہوکاجی کا پوتا تھا۔

ہلکر کو جسے مہاراجہ نے فوج کے ایک حصہ کا سردار بنا رکھا تھا۔ بلوایا۔ مہاراجہ ملہار راؤ اس کے بہادرانہ اوصاف اور اُسکی وفادارانہ خدمات سے ہمیشہ اس سے خوش رہا کرتے تھے۔ انہی خیالات کی وجہ سے اہلیا بائی نے تکوجی کو باوجودیکہ وہ عمر میں اس سے بڑے تھے اپنا عزیز بنا کر فوج کے تمام اختیارات اس کے سُپرد کر دئیے۔ اور جب راگھو بابا پیشوا کے پاس پونا جانے لگا تو اہلیا بائی نے مہیسر کے مقام پر بہایت دھوم دھام سے اسکی دعوت اور ضیافت کا سامان کیا اور تکوجی کو اس کے ہمراہ اس غرض سے پونا روانہ کیا کہ پیشوا خود اپنے ہاتھ سے اسے سپہ سالاری کا خلعت عطا کرے۔

چنانچہ مادھو راؤ پیشوا کی خدمت میں حاضر ہو کر تکوجی شاہانہ آداب بجالایا۔ پیشوا نے اس کو افواج ہلکر کا سپہ سالار تسلیم کر کے اپنے ہاتھ سے اس عہدہ کا خلعت عطا کیا۔ اور وہ خوشی خوشی کامیاب ہو کر مہیسر میں اہلیا بائی کے پاس واپس آگیا۔

تکوجی کی عقیدت اہلیا بائی سے

تکوجی کے ماتحت پیادہ اور سوار دونوں قسم کی فوجیں تھیں اُس زمانہ میں جس کے ماتحت فوج ہوتی تھی وُہی اصل بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ اور جس امیر یا وزیر یا جاگیردار کے پاس باقاعدہ اور کثیر فوج ہوتی تھی موقعہ ملنے پر وہ بادشاہ سے جو چاہتا تھا منوا لیتا تھا۔ بعض حاسدوں اور دراندازوں نے تکوجی اور اہلیا بائی میں مخالفت کا بیج بونا چاہا۔ تاریخ مالوہ میں ایک شخص

نارو گنیش کا نام خصوصیت سے خاندان ملکر اور اہلیا بائی کے مخالفوں میں لکھا گیا ہے۔ وہ ہر وقت فتنہ و فساد کی جستجو میں رہتا اور ملک کے امن و امان کو تباہ کرنے کے منصوبے سوچتا رہتا تھا۔ تکوجی پر بھی اُس کا بڑا اثر تھا تکوجی اسکی بہت سی باتیں مان لیا کرتا تھا اور کبھی کبھی اُس کے کہنے سُننے سے کچھہ بے ضابطگی بھی کر لیا کرتا تھا۔ لیکن جب کبھی نارو گنیش اہلیا بائی کی مخالفت میں کچھ کہتا تھا۔ تو تکوجی اسکی زبان روک لیتا تھا۔ اور کہتا تھا ہرچند وہ مجھ سے عمر میں چھوٹی ہے لیکن میری جائے ادب ہے۔ اس کے حق میں کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالو جس سے مجھے رنج پہونچے۔ تکوجی ہمیشہ عقلمندی اور دُور اندیشی سے کام لیتا اور اپنی خدمات سے ہمیشہ اہلیا بائی کو خوش رکھا کرتا کسی غیر ملک پر حملہ کرنا ہوتا یا کسی دشمن سے صلح کی ضرورت ہوتی تو تکوجی بائی صاحبہ کی رضامندی جب تک حاصل نہ کر لیتا ایک قدم نہ اُٹھاتا فوج کی ترتیب اور درستی اور بعض نامور افسران کو انعام بخشی یا سزادہی میں وہ ہمیشہ بائی صاحبہ سے مشورہ کرتا اور ان کے مشورہ پر عمل کرتا۔

بائی صاحبہ اور تکوجی نے ممالک کی تقسیم بھی اس ترتیب سے کر رکھی تھی کہ کبھی مخالفت کی صورت پیدا نہ ہوتی تھی۔ جب کبھی تکوجی دکن کا رُخ کرتے تو پہاڑ ست پوڑہ سے لیکر دکن کے سب پرگنے ان کے قبضے میں آتے تھے اور بندھیل کھنڈ راجپوتانہ اور ہندوستان کے ملک پر بائی صاحبہ کا عمل دخل ہو جاتا تھا۔ اور جب تکوجی ہندوستان کی طرف یورش کرتے تھے تو بندھیل کھنڈ۔ راجپوتانہ اور ہندوستان کے ملک پر ان کا تصرف

ہو جاتا تھا۔ اور دکن پر بائی صاحبہ قابض ہو جایا کرتی تھیں۔ اس تغیر و تبدل سے انتظام ملک میں کسی قسم کا خلل نہ ہوتا تھا کارندے وہی رہتے تھے اہلکار وہی رہتے تھے۔ علاقوں کی تحصیل میں کوئی تشدّد نہ ہوتا تھا۔ صرف بائی صاحبہ اور تکوجی کے ناموں میں ادل بدل ہو جاتا تھا۔ بائی صاحبہ کو تکوجی سے محبت تھی اور تکوجی بائی صاحبہ کی اطاعت سعادت مند اولاد کی طرح کیا کرتا تھا۔ بائی صاحبہ تکوجی پر اس قدر مہربان تھیں کہ انہوں نے سرکاری مُہر میں ان کا نام اس طرح کھدوا رکھا تھا۔ "تکوجی فرزند مہاراجہ ملہار راؤ"۔

رانائے اُودے پور کا حملہ مُلک پر

اہلیا بائی جس سے کوئی قول و اقرار کرتی تھی اُس کو پُورا نباہتی تھی جس جس ملک سے اس نے عہد نامے اور وعدے کر رکھے تھے ان کے ساتھ ہمیشہ اچھّے تعلقات رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ کسی ہمسایہ یا دُور کے والیٔ ملک نے سر نہ اُٹھایا اور اس کے ملک کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ لیکن راجپوتانہ کے ایک سردار نے جس سے مہاراجہ ملہار راؤ نے رام پورہ وغیرہ کئی علاقے فتح کئے تھے۔ جب رانائے اُودے پور کو قومی حمیّت کا واسطہ دے کر اپنا مددگار بنایا تو ان دونوں نے مل کر بائی صاحبہ کے ملک پر حملہ کر دیا۔

یہ لڑائی زیادہ دیر تک نہ رہی اسلئے کہ اہلیا بائی کی فوج نے ان دونوں کا کچومر نکال دیا۔ اور وہ بمشکل میدان جنگ سے جان سلامت لیگئے۔ جب تک اہلیا بائی زندہ رہی اس ایک حملہ کے سوا کوئی اور حملہ کسی رئیس نے اسکے

ملک پر نہیں کیا۔ اور اسمیں بھی وہ کامیاب رہی۔

مہاجی سیندھیا اور اہلیا بائی

اہلیا بائی کے ملک کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ کے قریب بتائی جاتی تھی۔ فوج کی تنخواہوں میں اور ملک کے انتظام کے لئے بہت روپیہ خرچ ہوتا تھا۔ اور حساب کتاب بالکل صحیح رکھا جاتا تھا۔ لیکن اس آمدنی کے علاوہ اہلیا بائی کے ذاتی خزانہ میں چوبیس لاکھ روپیہ سالانہ سے کم نہ آتا تھا۔ اور ہرچند کہ وہ خیرات اور پُن دان کا سلسلہ ہمیشہ رکھا کرتی تھیں۔ بلکہ اس کام کے لئے اِن کا ایک محکمہ قایم تھا۔ لیکن اس پر بھی ان کا انتظام ایسا اچھا تھا اور ان کی خوش نظمی سے خزانہ میں روپیہ اسقدر رہتا تھا کہ ایک مرتبہ مہاجی سیندھیا (گوالیار) کو روپیہ کی سخت ضرورت آپڑی۔ تو اہلیا بائی نے اُسکو تیس لاکھ روپیہ بطور قرض دیا اور ان سے تمسک لکھوالیا۔ یہ اسی قرضہ کا لحاظ تھا کہ مہاجی سیندھیا نے اپنے افسروں کو حکم دے رکھا تھا کہ بائی صاحبہ جب تم سے کوئی مدد طلب کریں بلا عذر اور بے

۱ے تکوجی راؤ ہلکر کے فرزند کلاں کاشی راؤ نے اپنے دوسرے بھائی ملہار راؤ ثانی کے خلاف مہاجی دولت راؤ سیندھیا کو اپنا طرف دار بنایا۔ لیکن اسکی یہ حمایت اسکو بہت مہنگی پڑی۔ اول تو مہاجی نے اہلیا بائی والے قرضہ تیس لاکھ کا تمسک حاصل کرایا۔ اور کاشی راؤ سے لکھوالیا کہ ہم نے سارا روپیہ وصول کرلیا ہے۔ بلکہ دس لاکھ اور نقد لیا اور پانچ لاکھ لینے کا وعدہ لکھوالیا گویا ۴۵ لاکھ دے کر وہ ہلکر کی گدی پر بیٹھا۔ اور ساری عمر اس کا غلام بنا رہا۔ اور آخر تخت سے اُتار دیا گیا۔

بلا تاخیر مدد دیا کرو۔ سیندھیا اور ہلکر کے حدود اور علاقے بھی ایک دوسرے سے ملتے تھے اسلئے ایک رئیس دوسرے رئیس کی بہ آسانی مدد کرسکتا تھا۔

ماتحت راجگان و رؤسا سے اہلیا بائی کا سلوک

جن مرہٹہ اور راجپوت سرداروں سے خراج مقرر تھا اہلیا بائی ان سے نہایت نرمی اور ملایمت سے پیش آیا کرتی تھی۔ اور ان پر اس شفقت کا اظہار کیا کرتی تھی کہ وہ تقاضے کے بغیر خراج ادا کیا کرتے تھے اور اگر مالی مشکلات کی وجہ سے کوئی رئیس رعایت کا خواستگار ہوتا تھا یا تاخیر سے ادا کرنے کی معافی طلب کیا کرتا تھا۔ تو اس کو رعایت دے دیا کرتی تھی۔ یعنی اس کے ساتھ قسطیں مقرر ہو جایا کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی طویل حکومت کے دوران میں ان کے کسی ماتحت رئیس نے نہ شورش کی اور نہ بد امنی پیدا کی۔

دیگر والیان ممالک میں اہلیا بائی کا احترام

کوئی مرہٹہ سردار اور رئیس ایسا نہ تھا جو اہلیا بائی کی عزت و حرمت نہ کرتا ہو کوئی ہندو راجہ ایسا نہ تھا جس نے اہلیا بائی کو واجب التعظیم نہ سمجھا ہو۔ یہاں تک کہ نظام دکن اور سلطان ٹیپو جو اس سے بہت زیادہ طاقت ور اور وسیع ملکوں کے مالک تھے۔ وہ بھی اس کا احترام کیا کرتے تھے۔

جن والیان ملک سے بائی صاحبہ کو خراج آتا تھا۔ وہاں ان کے معتمد اور مختار موجود رہتے تھے اور ماتحت والیانِ ملک کی طرف سے ان کے وکیل

اہلیا بائی کے دربار میں مقرر ہوا کرتے تھے۔ لیکن ان کے علاوہ ان والیان ملک کے وکلا بھی جن سے اہلیا بائی کے دوستانہ و برادرانہ مراسم تھے ان کے دربار میں رہتے تھے اور اسی طرح ان کے سفیر اور وکیل ان کے درباروں میں رہا کرتے تھے جن میں پونا۔ حیدرآباد دکن۔ سرنگا پٹن (میسور) ناگپور اور لکھنؤ کے وکلا خاص طور پر ممتاز تھے۔ اور کمپنی بہادر کا وکیل ان کے دربار میں اور ان کا وکیل کمپنی بہادر کے دارالحکومت کلکتہ میں رہا کرتا تھا۔

اس انتظام سے صاف ظاہر ہے کہ اہلیا بائی کیسی مدبّر اور دور اندیش حکمران تھی اور تمام ممالک سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی وجہ سے اسکی رعایا کیسی دل شاد اور اس کا ملک کیسا آباد تھا۔

اہلیا بائی کا محکمۂ دھرم ارتھ

اہلیا بائی کچھ تو طبعی طور پر فیاض اور سخی تھی۔ اس پر مہاراجہ ملہار راؤ کی فیاض طبع نے بھی اثر کیا۔ وہ اکثر خیرات کیا کرتی تھی۔ سوار اور پیادہ رعایا اور مسافر۔ زمیندار اور غیر زمیندار سب اس کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے تھے۔ اس کے اکثر معتمد اور بڑے بڑے اہلکار اس کے دستِ سخا کو مختلف بہانوں سے روکنا چاہتے مگر وہ کسی کی نہ سنتی۔ اس نے اپنے ملک کے روپیہ کو جس کا کثیر حصّہ غریب زمینداروں سے اور بہادر تیوں سے مالیہ اور محصول کی صورت میں وصول ہوتا تھا ہمیشہ نیک کاموں میں خرچ کیا۔ جب کبھی ملک میں قحط کے آثار ظاہر ہوتے وہ اس کے انسداد

کی طرف پوری توجہ سے کام لیتی کہیں قلعے تعمیر کرانی۔ کہیں گھاٹ اور باؤلیاں اور کنوئیں بنواتی۔ جام کے گھاٹ پر اس نے ہزار ہا روپیہ خرچ کرائے اور وہاں مسافروں کے قیام کے لئے کئی مکان بنوائے۔ شیوالے اور دھرم شالائیں سینکڑوں بنوا دئیے۔ نہ صرف اپنے ملک ہی میں رفاہ عام کے یہ کام تعمیر کرائے۔ بلکہ ہندوستان کے مختلف شہروں۔ جگن ناتھ۔ دوارکا جی۔ کیدار ناتھ۔ رامیشور۔ کاشی جی۔ گیا۔ الہ آباد۔ ہردوار۔ ناتھ دوارہ پشکر جی۔ ناسک متھرا۔ چترکوٹ اور اجودھیا وغیرہ مقدس مقامات میں عالی شان مندر بنوائے اور بڑے بڑے باغ تعمیر کرا کر اپنی نیک یادگار چھوڑی۔ بندھیاچل کے اوپر جو سڑک ہے اس کی بنیاد بھی اسی نے رکھی تھی۔

علاوہ ازیں سدا برت جاری رہتا تھا یعنی ہر مذہب اور ہر قوم کے غریب اور مسافر لوگوں کو دو وقت کھانا ملا کرتا تھا۔ مورتیوں کے نہلانے دھلانے کے لئے ہردوار سے گنگا جل آتا تھا اور اس پر ہزاروں روپے خرچ ہو جاتے تھے۔

اس کے راج میں مختلف مقامات اور مختلف شاہراؤں اور گذرگاہوں پر گرمی کے ایام میں راہروؤں اور مسافروں کے لئے سبیلیں لگائی جاتی تھیں۔ سردیوں کے موسم میں ہر قوم کے غریب اور محتاج لوگوں کو سرمائی کپڑے سردی سے بچنے کے لئے ملا کرتے تھے۔

بائی صاحبہ کی رعایا نوازی اور مسافر پروری یہیں تک محدود نہ تھی بلکہ جانور اور چرند پرند بھی ان کی رحمدلی سے آرام پاتے تھے۔ اڑنے والے

جانوروں اور مچھلیوں تک کو کھانا دانہ ملتا تھا۔ مہیسر کے قریب جو بیل قلبہ رانی کیا کرتے تھے ان کے دانہ اور گھاس کا انتظام دھرم ارتھ کی طرف سے ہوتا تھا برہمنوں نے اس مہاآتما دیوی کے دور میں بڑا آرام پایا۔ دان پن کا بہت سا حصہ انہی کے جیبوں میں جاتا تھا۔ تاریخ مالوہ کے مصنف نے تو ان کو مذہبی لٹیرے لکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی یہ سخاوت سیاسی نکتہ نگاہ سے بھی بڑی مفید تھی۔ یہ برہمن اس کے استحکام سلطنت کے دعاگو رہتے تھے اور کسی کو اس کے خلاف سر اٹھانے نہ دیتے تھے نیز پیشوا بھی برہمنوں کی پالنا سے خوش رہتا تھا۔

اہلیا بائی کی حفاظت میں نوادرات شاہی

اہلیا بائی کے خاوند کھنڈے راؤ کے قتل کے واقعات میں لکھا جا چکا ہے کہ کھنڈے راؤ کے قتل کا مہاراجہ ملہار راؤ کو بڑا صدمہ ہوا۔ اُن کا یہی اکلوتا بیٹا وارث تاج و تخت تھا۔ اور وہ اُن کی آنکھوں کے سامنے سورج مل جاٹ بھرتپوری کے ایک سپاہی کی گولی کا نشانہ بن کر خاک و خون میں لتھڑ گیا تھا لیکن اُس جوان ہمت پیر مرد مہاراجہ نے ہمت نہیں ہاری بلکہ عماد الملک کے مشورہ سے اُس نے بادشاہ دہلی کو اپنی مدد پر آمادہ کیا۔ بادشاہ بالکل مدد پر تیار تھا۔ بلکہ روانہ بھی ہو چکا تھا کہ وزیر کی سازش سے جو عماد الملک کے خلاف تھا۔ بادشاہ کے ایک معتمد نے یہ افواہ پھیلا دی کہ ہلکر اور عماد الملک دونوں مل کر بادشاہ اور وزیر کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی یہ خبر بھی ہوا

کی طرح پھیل گئی کہ مرہٹوں کی لاتعداد فوج کسی طرف کوچ کرتی ہوئی دیکھی گئی ہے۔ معلوم نہیں اس کا کیا ارادہ اور منشاء ہے۔ بادشاہ (احمد شاہ خلف محمد شاہ رنگیلا) اور اس کا وزیر یہ خبر سنتے ہی دہلی کی طرف واپس بھاگے اور ایسے سراسیمہ ہوکر! کہ ننگ و ناموس کا بھی خیال نہ رہا۔ اسکی فوج کے آدمیوں نے بھی جدھر جس کے سینگ سمائے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ مگر ملکہ زمانیہ جو فرخ سیر بادشاہ کی بیٹی اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کی بیگم تھی معہ اور بیگمات اور کنیزوں کے گرفتار ہو گئیں۔

مہاراجہ ملہار راؤ نے بیگمات کی تعظیم میں ادب و لحاظ کے سلیقہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ پردہ کرا کر ان کی خدمت میں حاضر اور دست بستہ کھڑا ہو کر اپنے آپ کو اُن کا ادنیٰ خدمت گار ظاہر کرتا رہا۔ ان کے زیور اور اسباب کی ہر طرح حفاظت کی۔ اور اُن کو تسلّی و تشفّی دے کر ادب و احترام کے ساتھ دہلی بھجوا دیا۔

لیکن ان کے روانہ ہونے کے بعد دو نادر چیزیں ملہار راؤ کی خدمت میں ان کے آدمیوں نے پیش کیں۔ ایک بیگم محمد شاہ کی زرّین مسند تھی جس پر وہ بیٹھ کر اپنا دربار کیا کرتی تھی۔ اس مسند کے تمام کنارے موتیوں سے بنے ہوئے تھے۔ دوسری چیز ملکۂ ہند کی کنگھی تھی جس میں لعل و جواہر جڑے ہوئے تھے۔

یہ دونوں چیزیں مہاراجہ نے اپنی بیوہ بہو رانی اہلیا بائی کے سپرد کردیں۔ جن کا وجود اہلیا بائی کی زندگی کے آخری لمحوں تک برابر ملتا ہے

اسکی وفات کے بعد معلوم نہیں یہ دونوں نادر چیزیں جن کا دہلی کے قلعۂ معلیٰ سے باہر رہنا فی الحقیقت ناموس تیموریہ کے لئے صدمۂ عظیم تھا۔ کہاں چلی گئیں۔

اہلیا بائی ہمیشہ ان کی حفاظت کرتی رہی۔ اور بادشاہ ہند کی بیگم کی جو سند اس کے سپرد ہوئی تھی اسکو واجب التعظیم سمجھتی رہی اور کبھی اپنے استعمال میں نہ لائی۔

غارت گروں اور ڈاکوؤں کا انتظام

اہلیا بائی کو اپنے ملک میں امن وامان قائم رکھنے اور اپنی رعایا کی فارغ البالی اور مرفع الحالی کا بڑا خیال رہتا تھا۔ وہ خود بھی بڑی رحمدل منصف مزاج اور خدا ترس تھی اور اس نے اپنے اہل کار بھی دیانت دار اور قابل افسر چن چن کر رکھے تھے۔ لیکن اس پر بھی ملک کے بعض حصوں سے ڈاکہ زنی اور فتنہ وفساد اور بے اطمینانی و بدامنی کی خبریں آتی ہی رہتی تھیں۔ جن کے سننے سے اہلیا بائی کو صدمہ پہونچتا تھا۔

اسکے ملک میں بھیل اور گونڈ دو قومیں ایسی تھیں جن کا ہندوستان کی قدیم قوموں سے تعلق تھا۔ اور جو ہندوستان پر اپنے سوا کسی اور قوم کا خواہ وہ ہندو ہی کیوں نہو عمل دخل پسند نہیں کرتی تھیں۔ اور جن کو غیر قوموں نے دور دراز ملکوں سے آکر پامال اور تباہ حال بلکہ خانہ بدوش بنا رکھا تھا۔ اب ان قوموں کا قیام زیادہ تر وسط ہند میں رہتا تھا اور

گنجان جنگل ان کی پناہ گاہیں تھیں اور نہ صرف اِکّے دُکّے لوگوں کو بلکہ مسافروں
کی جماعت کی جماعت کو لُوٹ لینا اَور بعض اَوقات قتل کردینا ان کے لئے معمولی
بات تھی۔ اہلیا بائی جب اِن اقوام کے ہاتھوں اپنی رعایا کی غارت گری اور
لُوٹ مار کا حال سُنتی تھی تو اُسے رنج تو ضرور پہونچتا تھا لیکن وہ اپنی فطری
رحم دلی کی وجہ سے ڈاکوؤں کے قتل عام کی بجائے کسی ایسی تدبیر سے کام
لینا چاہتی تھی کہ یہ ڈاکو خود بخود اس کام سے باز آجائیں۔

چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ بہت سی بنجر زمین بھیل اور گونڈ قوم کے لوگوں
کو آباد کرنے کے لئے مُفت دی جائے اور اس کا لگان بھی اُن سے نہ لیا جائے
اَور پہاڑوں کے دروں اور مختلف دشوار گذار رہگزروں پر چوکیاں
بٹھائی جائیں اَور اُن چوکیوں پر انہی قوم کے لوگ بٹھائے جائیں۔ جن کو
گذر کا کچھ محصول ہر رہگذر ادا کیا کرے۔ اِن مراعات کے معاوضہ میں
ان سے یہ شرط لکھوالی گئی۔ کہ ہم رستوں کی حفاظت کریں گے۔ اور
اگر کسی مسافر کے مال و جان کا نقصان ہوگا تو ہم اسکے ذمہ وار ہوں گے۔

لیکن بعض شورہ پشت ایسے بھی تھے جو خلق خدا کی ایذا دہی اور ظلم
رسانی سے باز نہ آئے۔ اہلیا بائی نے ان غارت گروں کی معرفت جن سے
شرائط طے ہوچکی تھیں ان کو بہت کچھ سمجھایا لیکن جب وہ کسی طرح نہ مانے
اور مسافروں کو برابر تکلیف دیتے اور لوٹ مار کرتے رہے۔ تو مجبوراً
ایسے شورہ پشتوں کے ظالمانہ پنجہ سے خلق خدا کو نجات دلانے کے لئے
اس کو ان کے قتل عام کا حکم جاری کرنا پڑا۔ چنانچہ بہت سے گونڈ اور

بھیل مارے گئے۔ اور بہت سے ملک سے باہر چلے گئے۔
اس طریق سے ملک میں بالکل امن و امان ہو گیا۔ مسافر اور اہل تجارت اور رعایا کے لوگ بے کھٹکے سفر کرتے تھے۔ اور گونڈ اور بھیل لوگ جو ملک میں باقی رہ گئے تھے۔ اور جن کو اہلیا بائی نے مشروط رعایتیں دے رکھی تھیں کسی کو تکلیف نہ دیتے تھے۔

اہلیا بائی کا سیاسی تدبر

ہلکر اور سیندھیا رشتہ دار بھی تھے اور دونوں مرہٹے بھی تھے یعنی ایک ہی قوم سے تھے لیکن مہاراجہ ملہار راؤ کی ترقی دیکھ کر مہاجی سیندھیا اندر ہی اندر جلا کرتے تھے۔ ان کی زندگی تک تو ان کی کچھ پیش نہ گئی لیکن جب اہلیا بائی نے حکومت سنبھالی تو مہاجی سیندھیا نے یہ سمجھ کر کہ یہ عورت ذات سیاسی چالوں کو کیا سمجھے گی کچھ پُرزے نکالنے شروع کئے۔ اہلیا بائی کے سپہ سالار تکوجی ہلکر بھی ایک ایماندار سپاہی تھے۔ ان کا ظاہر و باطن اہلیا بائی کی طرح یکساں تھا۔ یہ بھی بلا وجہ محض اپنا ملک بڑھانے کے لئے کسی پر حملہ نہ کرتے تھے۔ لیکن جب مہاجی سیندھیا کو ایک مرتبہ روپیہ کی اشد ضرورت پڑی جیسا کہ سابقہ سطور میں بھی کسی جگہ ذکر ہو چکا ہے تو اہلیا بائی نے تیس لاکھ روپیہ قرض دے کر مہاجی سیندھیا کو ہمیشہ کے لئے بندۂ بے دام بنا لیا۔

اسی قرضہ کی یہ برکت تھی کہ مہاجی سیندھیا جو ہلکر کے ملک پر

رکھے ہوئے تھا۔ اب خود اس ملک کا محافظ تھا۔ چنانچہ جب راگھو بامعتمد مادھوراؤ پیشوا نے اہلیا بائی کا زور گھٹانا اور زبردستی اُس پر حملہ کرنا چاہا اور اس نے مہاجی سیندھیا سے مدد مانگی تو اُس نے اہلیا بائی پر حملہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چونکہ اہلیا بائی کے سیاسی تعلقات ملحقہ ممالک سے نہایت اچھے رہے تھے۔ اس لئے کسی نے بھی راگھو بابا کی حمایت ذمہ نہ اُٹھایا یہاں تک کہ خود پیشوا نے بھی راگھو بابا کو اہلیا بائی کی مخالفت سے منع کیا۔

مہاراجہ ملہار راؤ ثانی کے دیوان کا نام تانتیا جوگ تھا۔ تاریخ مالوہ میں لکھا ہے تانتیا جوگ عام طور پر کہا کرتا تھا۔ کہ میں نے ملکی پالیسی میں اہلیا بائی کے دستور العمل کو اپنا رہنما بنا رکھا ہے۔ اسی کی پالیسی پر عمل کرتا ہوں اور اسی پالیسی کی بدولت سرکار انگریزی کو بھی خوش رکھتا ہوں۔ اور اپنے مالک اور آقائے مجازی کی خوشنودی مزاج بھی حاصل کرتا ہوں اور رعایا کو بھی کسی قسم کی شکایت کا موقعہ نہیں دیتا۔ یہ ساری برکت اُسی دیوی کے نام کی ہے جس کا نام اہلیا بائی ہے۔ اور جس کو لوگ آج ایک اوتار سمجھ رہے ہیں۔

اہلیا بائی کی ناموری سے مہیشر کی رونق و آبادی

اہلیا بائی کے حسن انتظام سے ملک میں چاروں طرف امن و امان تھا حالانکہ اُس کے ہمسایہ ملک سیندھیا میں ظالم اور جابر عاملوں کی لوٹ مار اور ان کی نالائقیوں کی وجہ سے آئے دن فساد رہتا تھا۔ اہلیا بائی بذات

خاص اہم معاملات میں حصہ لیتی تھیں۔ لوگ ان کے عہد حکومت کو
ست جگ کا زمانہ تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ نہ صرف سیندھیا
کے ملک سے بلکہ دُور دُور کے علاقوں سے اہلیا بائی کے ملک میں لوگ آکر
آباد ہوتے تھے۔ اور امن چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔

اندور اُن ایّام سے پیشتر ایک گمنام سا گاؤں تھا۔ تمام رونق
اور آبادی مہیسر ہی کے نصیب میں تھی۔ لیکن اہلیا بائی نے جب اندور
کی آبادی کا خیال کیا تو اُس کو بھی مہیسر کی طرح مالا مال کر دیا۔ وُہی
اندور جو ایک معمولی گاؤں تھا۔ اہلیا بائی کے دم قدم کی برکت سے ایک
بہت بڑا شہر بن گیا۔ دوکانیں اور بازار بڑے بڑے تاجروں اور
سیٹھ ساہوکاروں سے رونق پانے لگے۔

ایک مرتبہ تکوجی ہلکر جو اہلیا بائی کے متبنٰے اور اسکی فوج کے سپہ سالار
تھے۔ اندور آئے۔ وہ اندور کی رونق اور آبادی دیکھ کر حیران رہ
گئے۔ اِن کی فوج اسوقت کچھ بے خرچ سی تھی۔ اور وہ پریشان تھے
خود غرض لوگوں نے مشورہ دیا کہ اندور اب ایک مالدار شہر ہے
ہزاروں کیا لاکھوں روپے یہاں سے ایک اشارہ سے حاصل ہو سکتے
ہیں۔ آپ دو چار سیٹھوں کو پکڑ لیجئے۔ کافی روپیہ مل جائے گا
اور فوج جو پریشان اور تباہ حال ہے روپیہ لے کر کچھ اطمینان
حاصل کر سکے گی۔

اتفاقاً انہی دنوں ایک مالدار ساہوکار کا انتقال ہو گیا

تکوجی ہلکر نے اُس کا مال و اسباب ضبط کر لیا۔ اُس ساہوکار کی عورت روتی پیٹتی بائی صاحبہ کے پاس مہیشر پہونچی۔ بائی صاحبہ نے جب اس مصیبت زدہ کی داستان سُنی۔ تو تکوجی پر اپنی خفگی اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور تکوجی کو حکم بھیجا کہ ہم نے کس محنت اور شوق سے اندور کو آباد کرایا ہے۔ سیٹھ اور تاجر اور عام لوگ اپنی نیند سوتے اور جاگتے ہیں۔ اور خاندان ہلکر کو ترقی اقبال کی دعائیں دیتے ہیں۔ یہ تم نے کیا کیا؟ کہ میرے آباد کردہ شہر میں ایک فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ اس عورت کا مال و اسباب جو تم نے ضبط کیا ہے فوراً اس کے حوالے کر دو۔ اور اندور سے جلد کوچ کر جاؤ۔ اور میری رعایا کی دل آزاری سے باز آؤ۔

بائی صاحبہ نے اس حکم کے ساتھ اس مظلوم عورت کو بہت سی تسلّی دی اور اپنی طرف سے اُسے خلعت عطا کیا۔ تکوجی کو اپنے کئے پر بہت نادم ہونا پڑا۔ اُس نے ساہوکار کی عورت کو اسکے خاوند کی جائیداد واپس دے دی۔ اور منّت خوشامد سے بائی صاحبہ سے اپنا قصور معاف کرایا۔ اور اندور سے چلا گیا۔

ارکانِ حکومت خاندانی اور پشتینی لوگ ہوتے تھے

آج ہندوستانی ریاستوں میں بیرونی علاقوں سے معزز اہل کار منگوائے جاتے ہیں۔ اور پھر وہ خاص میعاد کے لئے۔ کوئی

تین سال رہتا ہے کوئی پانچ سال۔ اس سے کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بیرونی[1] لوگ بظاہر تو رئیس و رعیت کی خیر خواہی کا دم بھرتے ہیں لیکن اصل میں انہیں اپنی بیش قرار تنخواہوں سے مطلب ہوتا ہے۔ اور جہاں تک ان کا بس چلتا ہے ریاست کے اصلی باشندوں کے حوصلوں اور ان کی امنگوں اور ان کے جذبات کو جوان کے دل میں اپنے وطن کی ترقی و بہبود کے متعلق ہونے ہیں پامال کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بیرونی لوگوں کی طرف سے اس قسم کا غیر ہمدردانہ سلوک دیکھ کر ملکی لوگوں کے دلوں میں ایک نفرت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ بالآخر کسی نہ کسی ایجی ٹیشن کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے پھر ملک کا روپیہ وزراء کی بیش قرار تنخواہوں اور وزراء، امراء کے متوسلین کی ملازمتوں کی صورت میں باہر چلا جاتا ہے۔ غیر ملکی لوگوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو غبن و خیانت اور رشوت کے ذریعہ لاکھوں روپے لیجاتے ہیں۔ اور اپنے اثر و رسوخ سے مقدمات کی لپیٹ سے بھی بچ جاتے ہیں۔

اہلیا بائی انہی وجوہات سے ارکان حکومت ان لوگوں کو مقرر

[1] خال خال ایسی مثالیں ہیں کہ بیرونی لوگوں نے حقیقی طور پر انسانی ہمدردی سے کام لیکر "اندرونی" لوگوں کے جذبات و خیالات کی قدر کی ہے اور ان کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ بھی ملک کے مقتدر اور ممتاز عہدوں کو حاصل کر سکیں۔

کرتی تھی جو خاندانی اور ہمدرد خلائق ہوتے تھے۔ چند عہدے ایسے تھے جن پر پشت ہا پشت سے لوگ چلے آتے تھے وہ نمک خواران قدیم کی حوصلہ افزائی کرتی تھی۔ اور بار بار ان کو تبدیل کر کے نہ رعایا کو تکلیف دیتی تھی اور نہ حاکموں میں بے اطمینانی پیدا کرتی تھی۔ اس کے اہل کار اور ملازم چونکہ سب اسی کے ملکی لوگ ہوتے تھے اسلئے ان کی تنخواہوں کا تمام زر و پیہ اس کے ملک ہی میں رہتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اس کا ملک خوشحال اور آسودہ تھا۔

البتہ جب کبھی کسی اہلکار کی طرف سے اسے بد دیانتی یا اسکے ظلم و جبر کی اطلاع ملتی تھی وہ خوب غور اور سوچ بچار کے ساتھ اسکی تحقیقات کرتی تھی۔ اور اگر جرم پایۂ ثبوت تک پہونچتا تھا تو ایسے غارت گر ملازم کو وہ قرار واقعی سزا دیتی تھی اور اس کے بڑے سے بڑے عہدہ کا کوئی لحاظ نہ کرتی تھی۔

خوشامد اور غیبت سے اہلیا بائی کو نفرت تھی

اہلیا بائی کو چغل خوروں اور کسی کی غیبت کرنے والوں سے سخت نفرت تھی۔ اس کے عہد حکومت میں چغل خوروں کی زبان ہمیشہ بند رہی۔ وہ خوب سمجھتی تھی کہ کسی کی غیبت اور برائی کرنے والا کوئی نہ کوئی اپنی غرض رکھتا ہے۔ اس لئے ایسے خود غرض کی بات پر یقین کر کے کسی افسر یا حاکم کو تکلیف دینا یا کسی رشتہ دار کے خلاف ہو جانا

عقلمندی کے خلاف ہے۔ اسی طرح اُس کو خوشامدی لوگوں سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ جو لوگ اس کی تعریف اور خوشامد کرتے تھے اور اُن کو یہ توقع ہوتی تھی کہ اس طریق سے ہم بائی صاحبہ سے کچھ فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ وہ ایسے لوگوں کو اشارتاً اور کنایتاً یہی بتایا کرتی تھی کہ تم نے میری تعریف میں جو زمین آسمان کے قلابے ملائے ہیں اس سے کیا حاصل۔ تعریف کے لائق وہی ایک ذاتِ پاک ہے جس نے ہم سب کو پیدا کر کے اپنی تمام مخلوقات میں جسکی تعداد گنتی اور شمار سے باہر ہے اشرف المخلوقات کا درجہ بخشا ہے۔

ذکر ہے کہ ایک برہمن بائی صاحبہ کی تعریف میں ایک طویل قصیدہ نظم میں لکھ کر لایا۔ بائی صاحبہ نے اس قصیدہ کو جس میں برہمن نے اسے سکندر و فریدوں اور بکرماجیت اور راجہ بھوج اور محمودؔ اور اکبر سے بھی زیادہ بااقبال ظاہر کیا تھا اور جس میں اُس کا مرتبہ آسمان سے بھی اونچا بتایا تھا۔ بڑے غور سے سُننے کے بعد فرمایا! "میں تو ایک کمزور ناتوان اور ناقص العقل عورت ہوں۔ جس عورت کی اتنی بڑی تعریف میں تم نے اتنا مغز مارا ہے وہ کوئی اور عورت ہو گی۔ مجھ جیسی گناہگار عورت اس تعریف کی کس طرح مستحق ہو سکتی ہے۔ مجھے خدائے قادر مطلق نے جس ملک کا بادشاہ بنایا ہے۔ اُسکی حفاظت اور خدمت کے فرائض کا بوجھ بھی میرے کمزور کندھوں پر ڈال رکھا ہے۔ اگر میں عدل و انصاف کے ساتھ ان فرائض کو ادا کر سکوں تو یہ میری خوش نصیبی ہے کسی پر احسان نہیں۔" یہ کہہ کر حکم دیا کہ اس قصیدہ کو اس خوشامدی برہمن سے لیکر دریائے

نربدا میں پھینک دیا جائے۔ برہمن بچارا اپنے قصیدہ کے جواب میں یہ کنتھا سن کر واپس چلا گیا۔

اہلیا بائی کا روزانہ دستور العمل

اہلیا بائی گو عورت تھی اور ایک وسیع ملک کی حکمرانی کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھی۔ لیکن پھر بھی اُس نے اپنے تقسیم اوقات کا ایک دستور العمل مقرر کر رکھا تھا۔ اور اس پر سختی کے ساتھ پسند تھی۔ اُسنے ہر کام کے لئے وقت مقرر کر رکھا تھا چنانچہ اس کے تقسیم اوقات کی جو کیفیت تاریخ مالوہ[1] میں نظر سے گذری ہے۔ وہ ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

وہ دن نکلنے سے بہت سویرے خواب سے بیدار ہوتی۔ اور سب سے پہلے اشنان کرتی۔ پھر پوجا پاٹھ کرتی اور پوجا کے بعد اس کے پاس پران کی کتھا سنانے والا شاستری آجاتا تو وہ کتھا سنتی اور خوب غور سے سنتی۔ پھر خیرات اور دان پُن غریب غربا اور مستحق لوگوں کو تقسیم کرتی۔ اور جب کھانا کھانے کا وقت قریب آتا تو سب سے پہلے برہمنوں کو کھانا کھلاتی اور جب سب کھانا کھا لیتے۔ تو خود کھانا کھاتی اس کی ذاتی خوراک مکلّف اور مرغن نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ نہایت بے مزہ اور گوشت تو اُس نے اسی دن سے ترک کر رکھا تھا۔ جب اُس کو زندا پے کا صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا۔

---

[1] جلد سوم صفحہ ۸۳۰۔

کھانا کھا چکنے کے بعد پھر وہ تھوڑی دیر پوجا کرتی۔ پوجا کے بعد تھوڑا سا وقت آرام کے لئے وقف کرتی۔ دو ڈھائی بجے کے قریب بیدار ہو کر لباس پہنتی اور دن کے غروب ہونے تک اجلاس کرتی۔ اور غریبوں اور مظلوموں اور دادخواہوں کی عرضیاں سُنتی۔ اور ان پر اپنے ہاتھ سے مناسب احکام اجرا فرماتی۔ شام کے بعد پھر کچھ وقت پوجا میں صرف کرتی۔ اس کے بعد رات کا کھانا کھا کر دربار خاص کی تیاری کا حکم دیتی۔ جہاں آدھی رات تک امور سلطنت انجام پاتے اور وزراء اور اُمراء اور مشیران خاص سے اہم معاملات پر مشورے ہوتے۔ اس کے بعد آرامگاہ میں جاتی۔

اس طریق سے اہلیا بائی بمشکل چار یا پانچ گھنٹے سویا کرتی تھی۔ اس کا باقی تمام وقت یا تو پوجا پاٹھ میں جاتا یا امور سلطنت کے انجام دینے اور رعایا کی دادوفریاد سُننے میں کٹتا تھا۔ اہلیا بائی کا بلا ناغہ یہی معمول تھا بلکہ اگر کسی برت یا کسی تیوہار کے دن کوئی ضروری اور سیاسی کام پیش آجاتا اُس دن بھی وہ تساہل سے کام نہ لیتی تھی۔

اہلیا بائی کی عدالت اور کچہری

اہلیا بائی چونکہ پردہ کے ساتھ حکمرانی کے فرائض سہولت سے ادا نہ کر سکتی تھی۔ اسلئے اُس نے حکمران ہوتے ہی پردہ کو خیرباد کہہ دیا

وہ برسر اجلاس اپنے ملکی لباس میں بے پردہ آتی تھی اور جب عدالت کرتی تھی۔ تو سب سے پہلے خدا کے خوف اور اپنے دھرم کا خیال رکھتی تھی اور خدا سے دُعا کرتی تھی کہ مجھ سے کوئی ایسا فیصلہ نہ ہو جائے جو ناانصافی پر مبنی ہو۔ اپنا ہو یا بیگانہ۔ مرہٹہ ہو یا برہمن۔ ہندو ہو یا مُسلمان مقدمات میں وہ کسی کا لحاظ نہ کرتی تھی اور ہر چند کہ وہ بڑی رحمدل تھی لیکن کسی کی رعایت وحمایت سے اُسے کوئی کام نہ تھا اُس کی عدالت میں ظالم اپنے کئے کی سزا پاتا اور مظلوم انصاف حاصل کیا کرتا۔ اُس کے عہد میں وکیلوں کا رواج نہ تھا۔ لیکن وہ گواہوں پر اور مدعی مدعاعلیہ پر خود ہی اس قسم کے سوالات اور ایسی جرح کیا کرتی تھی۔ کہ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی الگ ہو کر حق و باطل کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔

چونکہ وہ بد نظمی و بدامنی کی دشمن تھی۔ اسی لئے اُس نے کسی کے ملک پر کوئی حملہ نہ کیا اور نہ کبھی دوسرے رئیسوں کے ملکوں پر چھاپا مارا۔ صرف اس وجہ سے کہ یہی حال کل میرے ملک کا ہو گا۔ جس سے اُس امن وامان میں جو میں نے اپنے ملک میں پیدا کر رکھا ہے خلل واقع ہو گا۔ اس لئے جو لوگ اُس کے ملک میں فساد پیدا کرتے اور چوریاں اور ڈاکہ زنی کرتے جس سے اسکی رعایا میں گھبراہٹ۔ بے چینی اور افراتفری پیدا ہو جاتی اور انتظامی بدنامی کا خطرہ ہوتا۔ اُن کو وہ سخت سزائیں دیتی۔ لیکن اس پر بھی چوری خواہ کتنی خفیف کیوں

ہوتی۔ وہ اسکی خوب تحقیق کرتی۔ اور ایسا فیصلہ کرتی۔ کہ مجرم کو بھی تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔

تاریخ مالوہ کا مصنف لکھتا ہے کہ اس کے عہد حکومت میں جہاں تک اسکی مملکت تھی اسکی سخت سزاؤں اور اس کے خوف اور اسکی ہر دلعزیزی کی وجہ سے چوری اور لوٹ کا کہیں نام بھی نہ تھا۔

زمینداروں پر خاص مراعات

اہلیا بائی زمینداروں اور کاشتکاروں کو صحیح معنوں میں اپنے ملک کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی تصور کیا کرتی تھیں۔ بیل کو اس "ان داتا" فرقہ کی آمدنی کا اصل ذریعہ تصور کر کے اس کی پرورش کا خاص خیال رکھا کرتی تھیں۔ اور غریب زمینداروں کو اس کے دانہ چارہ کی سہولت دیا کرتی تھیں۔

اپنے ملک میں ان کے حکم سے مختلف پرگنوں کی جمع بندی ضرور ہوتی تھی۔ لیکن جمع بہت کم لگائی جاتی تھی۔ اور اسکی وصولی میں بہت نرمی سے کام لیا جاتا تھا۔

اہلیا بائی کا ملک بڑا وسیع تھا۔ اور اس زمانہ میں ہر شخص ہتھیار بند اور مسلح رہتا تھا۔ اور بغاوت اور شورش کا پیدا ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن بائی صاحبہ نے ملک کا انتظام اس خوش اسلوبی سے کر رکھا تھا۔ کہ ان کی زندگی میں کبھی ان کے ملک میں کسی رئیس نے

نہ ان کے خلاف بغاوت کی اور نہ کسی فرقہ نے کوئی شورش پیدا کی انہوں نے اپنی عادلانہ حکومت اور اپنے ملک کے امن و امان کے بھروسہ پر اپنے ملک میں فوج بھی کم رکھی تھی۔ ورنہ آجکل جس طرح فوجی بجٹ کے لئے ملک کی آدھی آمدنی وقف کردی جاتی ہے۔ ان کا بھی یہی حال ہوتا۔

زمیندار اور کاشت کار لوگ اس کے عہد میں ہمیشہ اس کے دُعاگو رہے۔ قحط اور خشک سالی اور سیلاب کے دنوں میں ان کو ہر قسم کی مدد ملا کرتی تھی۔ مالیہ اور لگان کے بغیر تو دنیا میں کوئی سلطنت قایم ہی نہیں رہ سکتی۔ لیکن اُس نے مالیہ بہت کم لگا رکھا تھا۔ اور پھر جب کسی آفت آسمانی سے فصل کم ہوتی تھی یا نہیں ہوتی تھی۔ تو مالیہ معاف کردیا کرتی تھی یا برائے نام لیا کرتی تھی۔

اہلیا بائی اور اُسکی مُسلمان رعایا

اہلیا بائی نے اپنی مسلمان رعایا کی ہمیشہ دلجوئی کی۔ اور اپنے نیک سلوک سے ان کے جسموں پر نہیں بلکہ ان کے دلوں پر حکومت کی وہ ہرچند پُرانے زمانہ کی ایک کٹر ہندو عورت تھی۔ اور چھوت چھات کی بھی قایل تھی۔ لیکن ایک حکمران کی حیثیت سے اس کا مذہب ہندو مذہب نہیں تھا۔ بلکہ اس کا مذہب انصاف و عدل تھا۔ اس نے کسی ایسے مقدمہ میں جہاں مدعی ہندو اور مدعا علیہ مُسلمان ہوتا تھا

کبھی ہندو کی اسلئے رعایت نہیں کی کہ وہ ہندو تھا اور مسلمان کو اسلئے تکلیف نہیں دی کہ وہ مسلمان تھا۔

اس کا سلوک سب کے ساتھ مساوی اور روادارانہ تھا۔

مسلمانوں کے ہاں شب معراج کو شب قدر اور شب برات کہا جاتا ہے۔ اس رات کو سمجھ دار مسلمان تو اچھے اچھے کھانے پکاتے اور خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ رات ان کے نزدیک متبرک سمجھی جاتی ہے۔ لیکن عوام اور جہلا اس رات کو ٹپاخے چھوڑتے اور آتش بازی چلا کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اہلیا بائی کی طرف سے بھی اس رات کو حلوا پکتا تھا۔ جو مسلمان مستحقین میں سرکاری طور پر تقسیم کیا جاتا تھا اور عوام کے تالیف قلوب کے لئے آتشبازی چھوڑی جاتی تھی جس کو دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے

اسی طرح محرّم کے ایّام میں پہلی ہی شب کو سرکاری مرثیہ خوان مجلسوں میں آکر مرثیے پڑھنے شروع کر دیتے تھے۔ سرکاری طور پر تعزئے بنتے تھے اور ان پر ہزاروں روپے خرچ ہو جاتے تھے۔ محرّم کے دس دنوں میں اہلیا بائی کی طرف سے ہر روز نذر و نیاز کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ بلکہ مجلسوں میں آکر خود مرثیہ سنتی تھیں۔ اور دسویں دن تعزیہ کے ہمراہ چند قدم پیادہ پا چلتی تھیں۔ اور تھوڑی دور جا کر شاہی محل میں واپس آجایا کرتی تھیں۔

چھوٹی عید پر جو رمضان کے روزوں کے بعد آیا کرتی تھی۔

روزہ داروں کی طرح اہلیا بائی بھی خوشی کا اظہار کیا کرتی تھیں۔ مسلمان امراء کو دعوتیں دی جاتی تھیں اور عید کا دربار مقرر کر کے سب کو سلام کا موقع ملا کرتا تھا۔ نماز پڑھانے والے قاضی کو سرکاری خلعت سے سرافراز کیا جاتا تھا۔ اور مکان سے عیدگاہ اور عیدگاہ سے مکان تک آنے جانے کے لئے ہاتھی سواری کو ملا کرتا تھا۔ بڑی عید پر بھی اہلیا بائی کی سرکار کی طرف سے مسلمانوں اور ان کے قاضی اور امام کے ساتھ یہی سلوک ہوتا تھا۔ مسلمانوں کا ایک فرقہ "پیران پیر" کی گیارھویں کا قائل ہے۔ وہ اس تاریخ کو کھانے پکاتا سردی کا موسم ہو تو چادر وغیرہ کا اہتمام کرتا ہے۔ اور رات کے ایک دو بجے تک مجلس گرم رکھتا ہے۔ اہلیا بائی اس تاریخ کو بھی اپنی طرف سے گیارھویں کا دھوم دھام کے ساتھ اہتمام کرتی۔ غرض جہاں تک ہوتا وہ ہر فرقہ کے تالیف قلوب سے کام لیتی اور یہی اسکی کامیابی اور نیک نامی کا سب سے بڑا گُر تھا۔

اہلیا بائی کے نواسہ اور داماد کی وفات

اہلیا بائی غریب پرور تھی۔ اور غریب الطبع تھی۔ خدا کے خوف سے ہر وقت ڈرا کرتی تھی۔ کسی کے مذہب کو بُرا نہ سمجھتی تھی۔ بلکہ دوسرے مذاہب کے بزرگوں کا ادب اور احترام کرتی تھی۔ کسی سے اس کی دشمنی نہ تھی۔ اس نے ساری عمر میں کبھی کسی کو پھانسی کا حکم نہیں دیا۔ ایک مرتبہ بھیلوں اور گونڈوں کو ضرور قتل کرایا۔ لیکن وہ بھی

اسلئے کہ خلق خدا اُن کے ظلم اور اُن کی لوٹ مار سے نالاں تھی۔ اور وہ اہلیا بائی کی نوازشوں کے باوجود اپنی عادتوں سے باز نہ آتے تھے۔

خدا کی شان ہے کہ ایسی نیک عورت ایسی خدا ترس عورت اور ایسی رحمدل عورت ابتدائے شباب ہی سے رنج والم کا شکار ہونا شروع ہوگئی۔ کھنڈے راؤ جیسا وجیہہ خوبصورت اور بہادر شوہر عین جوانی میں جدائی کا داغ دے گیا۔ انتیس سال کی عمر تھی کہ رنڈاپے کا غم دیکھنا پڑا ہنوز یہ صدمہ فراموش نہوا تھا۔ کہ مہاراجہ ملہار راؤ جیسا خسر جو باپ سے زیادہ شفیق تھا اس کو اپنی سرپرستی سے محروم کر گیا۔ اس صدمہ کے آنسو ابھی خشک نہوئے تھے کہ اکلوتا بیٹا اٹھارہ بیس سال کی عمر میں دیوانہ ہو کر چلتا بنا۔

اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بیٹے کے علاوہ اہلیا بائی کی ایک بیٹی بھی تھی۔ مکتا بائی نام! جو بیٹے سے بڑی تھی۔ اسکی شادی اس نے اپنے ہی ایک ملکی رئیس جسونت راؤ بھینیا سے کردی تھی۔ مکتا بائی کا صرف ایک ہی لڑکا تھا۔ بیس بائیس سال کی عمر تھی کہ بیمار ہوا بیماری کا ہر چند علاج کیا گیا لیکن جو بیماری موت کا پیغام لیکر آئی ہو۔ وہ نوجوان کے ساتھ ہی جا سکتی ہے۔ غرض اُسے تو موت ہی آئی شباب کے بدلے۔

جوان نواسہ کی موت نے اُسے نڈھال کر دیا۔ لیکن ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ اُس کا داماد بھی اس جہان سے کوچ کر گیا۔ ان حسد نما سنت

سے دنیا اُسکی نظروں میں تاریک ہو گئی۔ اب جس طرح آپ رانڈ تھی اُسی طرح بیٹی بھی رانڈ ہو گئی۔

لیکن اس پر ستم یہ ہوا کہ مُجتا بائی اپنے خاوند کی لاش کے ہمراہ جلنے اور چتا پر چڑھنے کی تیاریاں کرنے لگی۔

اہلیا بائی کی دختر راجکماری مُجتا بائی کی رسم ستی

اہلیا بائی کو جب بیٹی کے اس ارادے کی خبر ہوئی۔ تو اُسے منع کیا اور کہا میرے بڑھاپے پر رحم کر۔ مجھے کس کے سُپرد کرتی ہے۔ تو میری آنکھوں کے سامنے زندہ جلے اور میں زندہ رہوں یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے صدموں پر صدمے دیکھ رہی ہوں اور ایسی سخت جان ہوں کہ پھر بھی زندہ ہوں۔ اب آخری منزل پر ہوں۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے اس منزل پر پہونچا۔ اور مجھے یہ دن نہ دکھا کہ میں تجھے اپنے ہاتھوں سے روانہ کردوں۔

مُجتا بائی نے ماں کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ کہ تم تو بوڑھی ہو۔ چند روزہ مہمان ہو۔ تمہارے نیک کام اور تمہارا نیک نام ضرور تمہیں بیکنٹھ میں لے جائیں گے۔ میرا ایک بیٹا تھا وہ مرگیا خاوند کو بھی موت نے نہ چھوڑا۔ اب خاوند کے ساتھ مرنا عزت کا مرنا ہے۔ یہ وقت میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ پھر خدا جانے مجھ سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے۔ کہ میں بیکنٹھ میں اپنے خاوند کے ساتھ

نہ رہ سکوں۔ اسلئے ماتاجی میرا قصور معاف کرو۔ اور مجھے خوشی خوشی مرنے کی اجازت دو۔

اہلیا بائی بیٹی کے یہ الفاظ سُن کر غش کھاکر گر پڑی ہوش آیا تو پھر بیٹی کو ستی ہونے سے منع کیا۔ لیکن مُجتا بائی کی شوہر پرستی کے آگے اہلیا بائی کی منّت زاری اور اس کے رونے پیٹنے کا کوئی اثر نہ ہوا آخر اہلیا بائی نے صبر کی سِل چھاتی پر رکھ کر اجازت دے دی اور کہا سب سامان درست کرو۔ میں خود بھی چتا پر ساتھ جاؤں گی۔

غرض جسونت راؤ کی لاش روانہ ہوئی۔ مُجتا بائی اور اہلیا بائی لاش کے ساتھ پیدل چل رہی تھیں۔ اہلیا بائی کے ہوش و حواس بجا نہ تھے کنیزوں اور لونڈیوں نے اُسکو سنبھالا ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ چلنے میں جگہ جگہ لڑکھڑاتی تھی۔ کبھی داماد کا جنازہ دیکھتی تھی اور کبھی بیٹی کے زندہ جنازہ پر نظر ڈالتی تھی۔ اور کلیجہ پکڑ کر رہ جاتی تھی۔ آخر ارتھی مرگھٹ میں پہونچی۔ لوگوں نے لاش کو لکڑیوں کے انبار پر لِٹا یا۔ مُجتا بائی نے جو زیور اور لباس اور عطر و عنبیر سے آراستہ تھی چتا پر چڑھ کر خاوند کی لاش کو اپنی گود میں لے لیا۔ اہلیا بائی چتا سے ذرا پرے کھڑی ہوئی بیٹی کا آخری درشن کر رہی تھی۔ برہمنوں نے بائی صاحبہ کو دونوں بازوؤں سے مضبوط پکڑ رکھا تھا۔ تاکہ وہ بھی ماممتا کے جوش میں چتا میں کود نہ پڑے۔

بائی صاحبہ کی حالت اس وقت عجیب سے عجیب تر تھی نہ آنکھ

میں کوئی آنسو تھا۔ نہ زبان پر کوئی لفظ تھا۔ ہائے وائے کا شور بالکل بند تھا۔ البتہ ٹکٹکی چتا کی طرف لگی ہوئی تھی۔ آخر جب چتا کو آگ لگا دی گئی۔ اور شعلے بھڑکنے لگے۔ اور بیٹی کی شکل نظروں سے غائب ہونے لگی۔ تو بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ برہمنوں سے اپنے ہاتھ چھڑاتی تھی۔ بلکہ دانتوں سے ان کے ہاتھوں کو کاٹتی تھی۔ لیکن انہوں نے اس مضبوطی سے ان کے دونوں بازو پکڑے ہوئے تھے۔ کہ پھڑپھڑا کے رہ گئی۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ یہاں تک کہ دونوں لاشیں جل کے راکھ ہو گئیں۔

بہت دیر کے بعد اُن کو ہوش آیا۔ پھر نربدا میں جا کے غسل کیا اور اس صدمہ سے تین دن تک نہ کھانا کھایا اور نہ کسی سے کلام کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اپنی بیٹی کی یادگار میں ایک عالیشان مندر تعمیر کرایا۔ جو آج بھی مچھا بائی کے مندر کے نام سے مشہور ہے۔

اہلیا بائی کا انتقال پُرملال

یہ آخری صدمہ اہلیا بائی کے لئے سب صدموں سے زیادہ سخت تھا۔ اپنی آخری نشانی عزیز بیٹی کے زندہ جلنے کی دردناک کیفیت جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ ہمیشہ ان کو بے قرار رکھتی تھی۔ قویٰ ضعیف ہو چکے تھے طاقت زائل ہو رہی تھی۔ ہر وقت غمگین اور اوداس رہا کرتی تھی۔ اور آخر بیمار

ہوگئیں ۔ اور سنہ ۱۷۹۶ء[1] میں کہ ساٹھ سال کی عمر تھی اور ستائیس سال[2]
تک حکومت کی تھی ۔ اس جہان فانی سے رخصت ہوگئیں ۔

بائی صاحبہ کا قد متوسط تھا جسم لاغر تھا ۔ اور ان صدمول
سے اور بھی کمزور ہوگئی تھیں اور رنگ پختہ تھا ۔

اہلیا بائی نے اس عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی ۔ کہ
مہاراشٹر کیا اور دکن اور مالوہ کیا ۔ سارا ہندوستان ان کا نام
ادب سے لیتا ہے اور اس بات پر فخر کرتا ہے کہ مادر ہندوستان
نے اہلیا بائی جیسی ممتاز ۔ باعصمت اور عادل دیویوں کو
جنم دیا ہے

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بہ عدل
گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

یعنی ۔ ہر چند کہ نوشیرواں کو مرے ہوئے عرصہ دراز گذر چکا ہے
لیکن اس کا نیک نام اس کے عدل و انصاف کی وجہ سے آج تک زندہ
اور مشہور ہے ۔

اہلیا بائی کی وفات کو قریباً چالیس سال گذرے تھے کہ تاریخ
مالوہ کا مصنف اندور آیا وہ لکھتا ہے میں نے ہر شخص کی زبان پر اہلیا

---

[1] زنانہ کورس سررشتہ تعلیم پنجاب میں سنہ وفات سنہ ۱۷۹۵ء لکھا ہے وہ غلط ہے۔
[2] تاریخ مالوہ کے مصنف صفحہ ۸۳۵ پر لکھتے ہیں کہ تاریخ ملکم میں ان کی مدت حکومت چالیس سال
درج ہے جسمیں سہو ہے اس طرح کہ سنہ ۱۷۶۸ء میں مہاراجہ ملہار راؤ مرے اور سنہ ۱۷۶۹ء میں
اہلیا بائی کے فرزند مالی راؤ نے انتقال کیا ۔ ان کے بعد اہلیا بائی کا زمانہ آیا ۔ جنہوں نے
سنہ ۱۷۹۶ء میں وفات پائی ۔ اس حساب سے ان کی حکومت ۲۷ سال تک رہی ہے ۔

بائی کا نام پایا بہت سے لوگ ابھی زندہ تھے جنہوں نے اہلیا بائی کو دیکھا تھا۔ ان کی زبانیں اہلیا بائی کی تعریف کرتی ہوئی تھکتی نہ تھیں۔ اسکی عقل خداداد کے سب لوگ مدّاح تھے۔ میں نے کسی قوم کے کسی شخص کو ایسا نہ دیکھا جس نے اہلیا بائی کی کوئی بُرائی بیان کرکے اپنی زبان کو آلودہ کیا ہو۔ ہلکر کے لوگ اسکو ایک قابل پرستش دیوی خیال کرتے تھے۔

اہلیا بائی کے چند زرّیں اقوال

۱۔ جو آیا ہے آخر اُس کو ایک دن جانا ہے۔ پھر ایسے کام کیوں نہ کرکے جائے کہ جس نے ہمیں اس دنیا میں بھیجا ہے۔ اس سے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

۲۔ نیکی اور بدی کے متعلق جو سوال ہوگا اُس کا جواب یہیں سے سوچ کے روانہ ہونا چاہیئے وہاں کچھ جواب نہ بن سکیگا۔

۳۔ چندروزہ زندگی پر غرور کرنا ایسے لوگوں کا کام ہے۔ جن کو اپنے خالق سے کوئی شرم نہیں ہے۔

۴۔ جن کو نرگ کی آگ سے ذرا بھی خوف ہے وہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتے۔

۵۔ کسی بے گناہ کو روزی کے وسائل سے محروم کرنے سے اور کوئی بُرا کام نہیں ہے۔ کیونکہ اس بُرائی کا اثر بے روزگار کے سارے کُنبہ پر ہوتا ہے۔

۶۔ جو قول و اقرار ہو اُس کو پُورا کرو۔

۷۔ غیبت کرنے والے کی زبان بندہی رہے تو اچھّا ہے۔

(تمام شد)

اتحاد پریس بل روڈ لاہور میں باہتمام

اتحاد پریس بل روڈ لاہور میں باہتمام شیخ امین الدین پرنٹر چھپی
محمد الدین فوق پبلشر نے بیرون شیرانوالہ دروازہ لاہور سے شائع کی

ظفر برادرس تاجرانِ کتب لاہور کا سلسلۂ تالیفات ۶

زنانہ حاضر جوابیاں

جسمیں

جنسِ لطیف (عورتوں) کی ذہانت و طباعی اور حاضر جوابیوں اور بدیہہ گوئیوں کے نادر۔ دلچسپ دلکش اور بہترین نظم و نثر کے زندہ نمونے عربی۔ فارسی اور اردو کی مختلف کتابوں اور تحریروں سے فراہم کرکے درج کئے گئے ہیں۔

مرتبہ

محمد الدین فوق

۱۳۴۰ھ ۱۹۲۲ء

ہندو مسلم سٹیم پریس لاہور باہتمام سردار گنڈا سنگھ پرنٹر
قیمت ۶ آنہ بار اول تعداد جلد ایکہزار

یہ کتاب اور دیگر کتب جنرل ایجنسی لاہور سے طلب فرمائیں مل سکتی ہیں۔

دیباچہ

یوں لائے واں سے ہم دل صد پارہ ڈھونڈھ کر
دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا اُٹھا لیا

متفرق کتابوں اور رسالوں کے مطالعہ سے بعض بعض مقامات پر مجھے عورتوں کی ذہانت وطباعی کے دلکش اور نادر نمونے نظر آئے۔ چاہا کہ ان منتشر جواہر ریزوں کو ایک ہی لڑی میں منسلک کردوں اور ان بکھرے ہوئے دانوں کا ایک چھوٹا سا خرمن بنادوں۔ میں نے ان کو ترتیب دینا شروع کیا اور ہرچند کہ معمولی روزانہ کاروبار اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے بہت کم وقت ملا۔ تاہم اپنی بے بضاعتی کے محض اپنے طبعی شوق اور علمی مذاق کی وجہ سے جس قدر میں ذخیرہ فراہم کرسکا ہوں وہ ناظرین کی خدمت میں برامید قبولیت پیش کرتا ہوں ؂

میں نے مندرجہ ذیل کتب کے مطالعہ کے بعد اس مختصر سی کتاب کو ترتیب دیا ہے (۱) رسالہ خاتون (علیگڈھ) (۲) مشاہیر نسوان (۳) حیات نورجہاں وجہانگیر۔ (۴) رسالہ بدیہہ گوئی (۵) شعر العجم (۶) تذکرہ سخن شعرا (۷) لطائف تاریخی وعلمی (۸) مجموعۂ لطائف (۹) البرامکہ (۱۰) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ؂

زنانہ لٹریچر کی دو تین کتابیں جو اسی طرح بالکل نئی قسم کی ہونگی۔ زیر طبع ہیں اگر ناظرین نے ہمت افزائی کی تو امید ہے وہ بھی بہت جلد عالم وجود میں آسکیں گی ؂

صفر المظفر سنہ ۱۳۴۰ھ
اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء

محمد الدین فوق
دفتر اخبار کشمیری۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زنانہ حاضر جوابیاں

ردیفِ الف

آرام - کسی شاہزادی کا تخلص ہے - ایک رسالہ[۱] نے اس کو شاہ اسمٰعیل صفوی کی بیوی لکھا ہے - اور ہار جیت اور شطرنج کے اس واقعہ کو منسوب بھی اسی سے کیا ہے - مگر مشاہیر نسواں[۲] میں تذکرہ بہار کے حوالہ سے دل آرام بیگم کے کئی اشعار بھی درج ہیں - اور اس شاہزادی کو جہانگیر کی ایک بیگم ظاہر کیا گیا ہے - اور شطرنج کا یہ واقعہ بھی جہانگیر ہی سے منسوب کیا گیا ہے - واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے - کہ ایک دفعہ بادشاہ (جہانگیر) نے کسی شاہزادہ سے شطرنج کی ہار جیت پر یہ شرط باندھی کہ جو فریق ہارے وہ اپنی ایک منکوحہ جیتنے والے کو دے دے - اتفاق سے نقشہ بادشاہ کے خلاف آ پڑا - اس کی بیگمات میں علاوہ حسن و خوبصورتی اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے یوں تو ہر ایک چندے آفتاب و چندے مہتاب تھی - مگر اس نے چار بیگمات سے اس معاملہ میں مشورہ کیا اور شطرنج کا سارا واقعہ ان کو سنایا - پہلی بیگم کا تخلص جہاں تھا وہ بولی سے

تو بادشاہ جہانی جہاں ز دست مدہ ۔ کہ بادشاہ جہاں را جہاں بکار آید

[۱] خاتون علی گڈھ [۲] مصنفہ مولانا محمد عباس ایم اے مولوی فاضل

دوسری بیگم حیات نے کہا ؎

جہاں خوش ہست لیکن حیات باید
اگر حیات نہ باشد جہاں چہ کار آید

تیسری بیگم کا تخلص فنا تھا۔ کیا پختہ جواب دیتی ہے ؎

جہان و حیات ایں ہمہ بے وفا ست
فنا را نگہ دار آخر فنا ست

اب چوتھی بیگم دل آرام تخلص آرام کی ذہانت ملاحظہ فرمائیے۔ کس خوش اسلوبی سے اپنے آپ کو اور دوسری بیگمات کو بھی بچا لیتی ہے۔ اور بادشاہ کی مشکل بھی ایسی حل کرتی ہے۔ کہ آخر وہی جیت جاتا ہے۔ کہتی ہے ؎

شاہ در رخ بدہ و دل آرام امدہ
اسپ و پیادہ پیش کن و پیل کن فرات

آمنہ - پہلی صدی ہجری کے مشہور عرب شاعر عبد اللہ بن عبید اللہ ابن ہنیہ کی بیوی تھی۔ یہ عورت شاعرانہ قابلیت میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔ ان دونوں میں خوب مشاعرہ ہوتا تھا۔ ایک دن آمنہ نے یہ ابیات اپنے شوہر کی طرف مخاطب ہو کر فی البدیہہ کہے ؎

وانت اللذی اخلفتنی ما وعدتنی
واشمت بی من کان فیک یلوم

تو نے وعدہ خلافی کی
اور ملامت کرنے والوں کو مجھ پر ہنسایا

وابرزتنی للناس ثم ترکتنی
لھم غرضا ارمی و انت سلیم

لوگوں کے تیر ہائے ملامت کا مجھے
نشانہ بنا کر آپ صحیح سلامت بیٹھ رہا

فلو کان قول یکلم الجسم قد بدا
بجسمی من قول الوشاۃ کلوم

اگر ملامت سے جسم پر زخم ہوتا ہے تو میرے
جسم پر اس سے بے شمار زخم پیدا ہو گئے ہیں

اسیر بیگم اسیر - دہلی کی رہنے والی تھی۔ شاہ فخر الدین احمد دہلوی کی شاگرد بیگمات چغتائیہ کی مصاحبات میں تھی۔ بدیہہ گوئی میں بے نظیر ہوئی ہے۔

کسی نے یہ مصرعہ ایک دفعہ پڑھا "بیقراری قرار ہے اپنا" اس نے فی البدیہ بغیر کسی غور و فکر کے اس کو رباعی بنا دیا ۔

عشق دارو مدار ہے اپنا بیقراری قرار ہے اپنا
خاک میں مل گئی ہو جسپہ اسیر اس کے دل میں غبار ہے اپنا

اسماء - قبیلہ بنی عذرہ کے ایک شخص عبد لعد نام کی بیٹی تھی - اس کا قول لا عطر بعد عروس (عروس کے بعد عطر کی ضرورت نہیں) عرب میں ضرب المثل ہے صاحب مجمع الامثال نے اسی ضرب المثل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے - کہ ایسے موقعہ پہ بولی جاتی ہے - کہ پہلے حاجت ہو اور پھر چیز کا ذخیرہ جمع کیا جائے اصلیت اس کی یہ ہے - کہ اسماء کی پہلی شادی اس کے چچا زاد بھائی عروس سے ہوئی تھی - اس کے مرنے کے بعد ایک ایسے شخص سے اس کا عقد ہوا جو بخیل - گندہ دہن اور کج خلق تھا - جب رخصتی کا وقت آیا - تو اسماء نے اپنے چچیرے بھائی (پہلے خاوند عروس) کی قبر پر جانے اور فاتحہ پڑھنے کی اجازت مانگی - شوہر بھی ساتھ گیا - جب وہاں پونچی تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا ۔

ابکیک یا عروس الاعراس
اے دولہوں کے دولہا میں تجھ کو روتی ہوں
یا ثعلباً فی اھلہ واسداً عند الباس
اے تو کہ گھر والوں میں لومڑی کی طرح (نرم خلق) تھا اور لڑائی کا شیر تھا
مع اشیاء لا یعلمھا الناس
معہ ان اوصاف کے جنہیں لوگ نہیں جانتے

شوہر نے کہا وہ کونسی اعلیٰ صفات تھیں کہ اسے کوئی اور جانتا ہی نہیں

اسماء نے فی البدیہ کہا ۔

کان عن الھمیۃ غیر نعاس ویعمل السیف جسیحات باس

اس کی ہمت میں تغافل نہ تھا شمشیر زنی کرتا تھا لڑائیوں میں

اس کے بعد جوش میں آکر یہ مدحیہ اشعار پڑھے ۔

یا عروس الاعنبر الازھر الطیب الخیم الکریم الحیض

اے روشن طلعت دولہا ۔ پاک سیرت نیک صورت

مع اشیاء لا تذکر

معہ ان اوصاف کے جن کا اب ذکر بھی نہیں ہوتا

شوہر نے کہا وہ کون سے ایسے اوصاف ہیں ۔ جن کا اب ذکر بھی نہیں ہوتا ۔ اسماء نے کہا ۔

کان عیوفا للخنا والمنکر طیب النکہۃ غیر الخبر

کراہت کرتا تھا بدکاری سے بوئے خوش دہن تھا گندہ دہن نہ تھا

الیس غیر اعسر

نرم دل تھا درشت مزاج نہ تھا

اب تو شوہر سمجھ گیا کہ سب اشارے اسی کی طرف ہو رہے ہیں ۔ شرمندہ ہو کے خاموش ہو گیا ۔ جب چلنے کا وقت آیا تو شوہر نے بہ اصرار کہا ۔ کہ اپنا عطردان لے چل ۔ اسماء نے جو اس سے اکتائی ہوئی تھی ۔ قطعاً انکار کر دیا ۔ اور کہا لا عطر بعد عروس

امانی بیگم ۔ زیب النساء بیگم کی ایک کنیز باتمیز کا نام ہے ۔ ایک مرتبہ شہزادی کنیز کے ساتھ باغ کی سیر میں مصروف تھی ۔ بیگم نے اس سے پوچھا جی سلے امانی گلی صد برگ چرا خندہ و ۔ اس نے فی البدیہ جواب دیا ۔

ع برلقائے خود و بر غفلت ما مے خندد ایک مرتبہ برسات کے موسم میں جبکہ مکھیوں کی کثرت تھی۔ زیب النسا نے دق ہوکر امانی سے کہا

ع اے امانی مگساں مے آیند

امانی نے کہا ع ناکساں پیش کساں مے آیند

ام البلاء ۔ اُندلس (ہسپانیہ) کے مشہور وادی الحجارۃ کے ایک سوداگر یوسف کی بیٹی پانچویں صدی ہجری کی ایک فاضلہ ہوئی ہے۔ کتاب المغرب کے مصنف نے لکھا ہے۔ کہ ایک بڑی عمر کے شخص نے اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی اُس فاضلہ نے مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر اُس کو ہمیشہ کے لئے خاموش کردیا ؎

الشیب لایخدع عنہ الصبی — بحیلۃ فاسمع الی نصحی
بڑھاپے کے دھوکہ میں لڑکپن نہیں آتا — کسی طرح میری نصیحت کو سُن
فلاتکن اجہل من فی الوریٰ — یبیت فی الجہل کما یضحی
دنیا میں جاہلوں کی ناک نہ بن جیسے — دن رات سوائے حماقت کے کوئی کام نہیں

اُمِ عقبہ ۔ مشاہیر النسواں میں بحوالہ تذکرۂ داؤد انطاکی لکھا ہے۔ کہ یہ قابل عورت غسان بن حجدم کی بیوی تھی۔ جب وہ قریب المرگ ہوا تو اس نے اپنی بیوی کو مخاطب کرکے یہ اشعار پڑھے ؎

اخبری بالذی تریدین بعدی — بالذی تضمرین یا ام عقبہ
اے ام عقبہ مجھے بتا کر میرے بعد تیرا کیا ارادہ ہے — اس راز سے بھی مجھے باخبر کر جو تیرے دل میں ہے
تحفظین من بعد موتی لماقد — کان منی من حسن خلق و صحبہ
جو خوش خلقی اور ہمنشینی مجھ سے ظہور میں آئی — کیا میری موت کے بعد تو اسکی نگہداشت کریگی

سلہ بہ ہیگوئی میں یہ واقعہ شیخ علی حزین اور ان کے خادم رمضانی کے نام سے درج ہے۔

ام تریدین ذا جمال و مال — وانا فی التراب فی سجن غربه

کیا تو کسی صاحب جمال اور صاحب مال کو چاہے گی — جبکہ مٹی نے مجھ کو مقید کر لیا ہو گا۔

ام عقبہ بڑی ادا شناس اور وفادار اور سخن سنج بیوی تھی اس نے اسی وقت شوہر کو جواب دیا ؎

قد سمعنا الذی تقول وما قد — خفته یا خلیل من ام عقبه

اے دوست جو کچھ تو نے کہا ہے اور جس کا تجھے — ام عقبہ کی جانب سے خوف ہے میں نے وہ سب کچھ سن لیا

انا من احفظ النساء وادعا — هن باقل او لهیت من حسن صحبه

جو کچھ تو نے میرے ساتھ حسن سلوک جاری رکھا ہے — بانجام عورتوں سے زیادہ اسکی نگہداشت کرنیوالی اور اس کی یاد میں رہنے والی ہوں۔

سوف ابکیک ما حییت بشجو — ورثاء اقولها وندبه

چنانچہ غسان بن جحدم کے مرنے اور ایام عدت گذرنے کے بعد بڑے بڑے شرفاء نے اس کے پاس شادی کے پیغامات بھیجے مگر اس نے ایک طویل نظم کے ذریعہ سب کو جواب صاف دیدیا۔ اس منظوم خط کا پہلا شعر یہ ہے ؎

ساحفظ غسانا علی بعد داره — وادعاه حتی نلتقی یوم نحشر

ردیف (ب)

برمکیہ ۔ ہارون رشید کے وزراء برامکہ جیسے خود قابل تھے ویسی ہی ان کی عورتیں سخن سنج اور نکتہ فہم تھیں ۔ ایک دن ہارون رشید کے دربار میں ایک برمکی عورت آئی اور آتے ہی خلیفہ کو دعائیہ طور پر کہا ۔ یا امیر المومنین اقر اللہ عینک وفرحک بما اتاک واتم سعدک لقد حکمت فقسطت یعنی خدا تعالیٰ تیری آنکھ ٹھنڈی کرے اور جو تجھ کو دیا ہے ۔ اس سے تجھے مسرت بخشے ۔ اور تیری سعادت کو پورا کرے بے شک تو نے انصاف سے حکومت کی ہے خلیفہ نے کہا تو کون ہے ؟ اُس نے کہا میں خاندان برامکہ سے ہوں ۔ جن کے مردوں کو تو نے ہلاک کر دیا ہے ۔ جن کی دولت چھین لی ہے ۔ اور فیاضیاں بند کر دی ہیں ۔ ہارون نے کہا ۔ جو مر چکے ہیں وہ واپس نہیں آ سکتے جو ہو چکا سو ہو چکا ۔ البتہ مال تجھے واپس ہو سکتا ہے ۔ اس کے بعد خلیفہ نے حاضرین دربار سے پوچھا تم بھی سمجھے ؟ اس عورت نے کیا کہا ۔ سب نے کہا امیر المومنین کو دعا دی ہے ۔ خلیفہ نے کہا ۔ نہیں تم بالکل نہیں سمجھے دراصل وہ مجھے کوس رہی ہے ۔ آنکھ ٹھنڈا ہونے سے یہ مطلب ہے کہ میں اندھا ہو جاؤں ۔ کیونکہ جب آنکھ اپنی سرگرم حرکت چھوڑ دیتی ہے ۔ تو سکون پا کے سرد ہو جاتی ہے ۔ دوسرا فقرہ کلام اللہ کی اس آیت سے لیا گیا ہے ۔ حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنا ھم بغتۃ ۔ یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں سے جو ان کو دی گئی تھیں ۔ خوش ہوئے

تو ہم نے اچانک ان پر عذاب نازل کیا۔ تیسرا فقرہ اس شعر سے ماخوذ ہے
سہ اذا تم امر بہ النقصۃ توقب زوالاً اذا قیل تم
(کام پورا ہو چکتا ہے۔ تو اس میں کمی شروع ہو جاتی ہے۔ جب کمال ہو تو
زوال کی امید رکھو) واما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا
(جنہوں نے سرتابی کی وہ دوزخ کا ایندھن بن گئے) اس عجیب و غریب
نکتہ سنجی سے سب دنگ رہ گئے۔

بزرگی۔ کشمیر جنت نظیر کی رہنے والی ایک شاعرہ جہانگیر بادشاہ کے عہد
میں ہوئی ہے۔ تذکروں میں لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ چار شاعر اُس کی تعریف
سُن کے اسے ملنے آئے۔ لیکن بار نہ پایا۔ وہ اسی حال میں کھڑے تھے۔
کہ ایک عرب بچہ آیا۔ اور بے تحاشا اندر چلا گیا۔ شعراء یہ دیکھ کر کہ ہم کو تو اجازت
نہیں ملی اور ایک طفل خوردسال دندناتا ہوا اندر چلا گیا ہے۔ بہت خفیف
ہوئے۔ اسی وقت یہ رباعی لکھ کر اندر بھیجی سہ

اے شیوۂ کفر و دین بہم ساختہ — غم نابجو جود عدم ساختہ
آثار بزرگی ز جبینت پیداست — گہ بلوب وگہ بہ عجم ساختہ

بزرگی نے یہ جواب اندر سے لکھ بھیجا سہ

روزے کہ نہادیم دریں دیر قدم را — گفتیم صلاہست عرب را و عجم را

اور آخر ان کو بھی باریاب کیا۔

بلقیس بیگم۔ میر عشقی شاعر کی بیوی تھی۔ وطن مرشد آباد بنگال تھا۔
اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی۔ میر جوشش عظیم آبادی نے

تذکرہ اختر تاباں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تخلص "تصویر" کرتی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بلقیس اپنے شیر خوار بچہ کو گود میں لئے صحن میں کھڑی تھی۔ میر عشقی کی جب اس پر نظر پڑی تو بیوی سے کہا ؎

دیدم بدوش آں مہ طفلے پری نژادے

تصویر نے فی البدیہہ یہ جواب دیا۔ ؏ چوں مصرعے کہ باشد پیوند مستزادے

بنانؓ ۔ خلیفہ متوکل عباسی کی جاریہ تھی۔ بڑی نکتہ دان اور نکتہ سنج فی البدیہہ شعر کہنے میں مہارت کامل رکھتی تھی۔ ایک دن خلیفہ نے یہ شعر پڑھا۔ اور بنان کو حکم دیا کہ فوراً اس کا جواب نظم ہی میں دے ؎

یقبد وادنوا بالمودۃ جاھدا ۔۔۔ ویبعد عنی بالوصال وا قرب

وہ مجھ سے رک رہتا ہے اور میں محبت کے سبب سے سعی کر کے نزدیک ہوتی ہوں۔ اور وہ مجھ سے دور رہتا ہے۔

بنان نے اسی جگہ کھڑے کہا ؎

وعندی لہ العتبی علی کل حالۃ ۔۔۔ فما منہ لی بدٌ ولا عنہ مذھب

اور میرے پاس اس کے لئے ہر حالت میں دلکشی ہے۔ میرے لئے تو اس سے چارہ نہیں اور اس کے لئے کوئی سبیل نہیں ہے۔

بنت عقیل ۔ حضرت علی کے بڑے بھائی حضرت عقیل کی صاحبزادی زنان بنی ہاشم میں بڑی خوش بیان اور حاضر جواب تھیں جس دن

؎ یہی واقعہ مشاہیر نسواں میں بحوالہ تذکرۃ الخواتین فضل جاریہ کے نام درج ہے لیکن یہ وصال واقرب والا شعر تو دونوں جگہ یکساں ہی ہے۔ دوسرا شعر مختلف ہے دیکھو ردیف (ف)

اہل بیت سفر شام سے مدینہ منورہ آئے۔ تو آپ نے ایک گروہ عرب کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اور عند الملاقات جبکہ ایک کہرام کا عالم برپا تھا۔ آپ نے حسب ذیل فی البدیہہ اشعار پڑھے ؎

ماذا تقولون اذ قال النبی لکم ماذا فعلتم و انتم اٰخر الامم
تم کیا کہو گے جب نبی صلعم تم سے پوچھینگے کہ یہ تم نے کیا کیا، حالانکہ تم آخر الامم ہو

لعبترتی وما جعلی بعد مفتقدی ؎
میرے حرم اور اہل سے میری وفات کے بعد

مھنھم اساری وصرعی ضرجوا بدم
تم نے کیا سلوک کیا، ان میں بعض قیدی بھی ہیں اور بعض افتادگی کی حالت میں خون سے لتھڑے ہوئے ہیں۔

ماکان ھذا جزائی اذ نصحت لکم
جب میں نے تمہارے حق میں خیر اندیشی کی

ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحم
تو کیا اس کا یہی بدلہ تھا۔ کہ تم نے میرے نزدیکی رشتہ داروں کے ساتھ میرے بعد بدسلوکی روا رکھتے۔

بنت مہلہل ۔ عرب کے مشہور شاعر مہلہل بن ربیع تغلبی کی نوعمر بیٹی تھی۔ جب مہلہل کو اس کے غلاموں نے قتل کر دیا۔ تو گھر میں روتے پیٹتے آئے۔ اور کہا کہ کسی نے مہلہل کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس کی بیٹی سلمی نے کہا کسی سے معلوم کرو۔ کوئی وصیت بھی مرتے دم اس نے کی تھی یا نہیں۔ غلاموں نے کہا یہ شعر اس نے مرنے سے پیشتر پڑھا تھا۔

اور کہا تھا میری بیٹیوں کو پہنچا دینا۔

من مبلغ الاقوام ان مہلھا ۔۔۔ للہ در کما و در ابیکما

مہلہل کی ایک چھوٹی بیٹی "واثکلاہ" تھی۔ یہ شعر سن کر وہ چلا اٹھی۔ اور کہا خدا کی قسم ہمارا باپ مارا گیا ہے۔ اور یہ دونوں اس کے قاتل ہیں۔ سب لوگ حیران تھے۔ کہ اس نوجوان لڑکی نے یہ بات کس طرح معلوم کر لی ہے۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر اس نے جواب دیا۔ جو شعر ہمارے باپ نے آخری وقت کہا ہے۔ اس کی تضمین سوا ان دو مصرعوں کے اور کسی طرح نہیں ہو سکتی

من مبلغ الاقوام ان مہلھا ۔۔۔ اضحی قتیلا فی الفلاۃ مجندلا

قوم سے کوئی جا کے کہے کہ مہلہل ۔۔۔ جنگل بیابان میں مارا ہوا پڑا ہے۔

للہ در کما و در ابیکما ۔۔۔ لا یبرح العبدان حتی یقتیلا

تم کو اور تمہارے باپ کو شاباش ۔۔۔ قتل ہوئے بغیر ان غلاموں کو جدا نہ ہونے دینا

آخر تحقیقات سے معلوم ہوا کہ غلام ہی اس کے قاتل ہیں۔ اور وہ فوراً تہ تیغ کئے گئے۔ سلہ

سلہ میں نے یہ واقعہ مشاہیر نسواں سے لیا ہے۔ اور صاحب مشاہیر نے صاحبۃ کسی عربی تذکرہ سے۔ مگر ایک مختصر سے رسالہ بدیہہ گوئی میں جو سید ناظر الحسین ہوش بلگرامی کی تصنیف ہے۔ یہ واقعہ اس طرح درج ہے۔ امرء القیس کو جو دو شخصوں نے قتل کیا ہے۔ اس نے ان سے عہد لے لیا تھا۔ کہ میرے قتل کرنے کے بعد میری دونوں بیٹیوں سے اتنا جا کر کہہ دینا ؎

یا ابنتی امرء القیس ۔ ان اباکما ۔ قد قتل

یعنی اے امرء القیس کی بیٹیو تمہارا باپ مارا گیا۔

قاتلوں نے عہد کو پورا کرنے کیلئے بے خوف اس کی بیٹیوں سے یہ فقرہ جا کر کہہ دیا۔ لڑکیوں نے

اس سے آگے دیکھو صفحہ ۱۲

بیگم جان - نواب قمرالدین کی دختر کا نام ہے۔ جو بیگمات اودھ میں بہو بیگم کے خطاب سے ممتاز تھی - ایک دفعہ بیمار ہوئی - ہمدم نام خواجہ سرا عیادت کو آیا بیگم نے برجستہ جواب دیا ؎

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جسم ناتواں کی
رگ رگ میں نیشِ غم ہے کہئے کہاں کہاں کی

بیگم کا تخلص جانی تھا۔

ردیف (ج)

جہان خاتون - خواجہ حافظ شیرازی المتوفی ۷۹۱ھ کے عہد میں شیراز کی ایک جادو بیان شاعرہ تھی - ایک مرتبہ خواجہ حافظ شیرازی کی ملاقات کو گئی - خواجہ نے اپنی غزل ؎

دردم از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شدہ جاں نیز ہم

خیال کیا کہ "اباکما" پر ایک شعر تمام ہو گیا ہے - اس کے دوسرے شعر کا اتنا ہی ٹکڑا ہے -
"قتل قتل" اور قافیہ پکار رہا ہے کہ "الدی اکما"۔ تمہارے پاس حاضر ہیں -
اب شعر اس طرح پورا ہو سکتا ہے ؎

قد قتلا وقاتلاه لدی اکما

یعنی اے امرأ القیس کی بیٹی تمہارے باپ کو دلوں نے قتل کر ڈالا - اور دونوں قاتل تمہارے پاس حاضر ہیں - یہ خیال آتے ہی لڑکیوں نے شور مچا دیا - اور اہل قبیلہ نے قاتلوں کو گرفتار کر لیا -

سنائی شروع کی - جب اس شعر پر پہنچے ؎

آسمانے و نیست برگاہ جہاں   بلکہ سیر گردون گرداں نیز ہم

جہاں خاتون سمجھ گئی کہ مجھ پر چوٹ کی گئی ہے - فوراً برافروختہ ہو کر جواب دیا ؎

حافظا این سے پر سنی تا بکے   ہے زتو بیزار دستاں نیز ہم

اسی جہان خاتون عبید ذکانی قزوینی کا شعر ہے ؎

اگر غزل ہائے جہاں خاتون ہندوستان [1]
روح خسرو ہم حسن گوید کہ ایں کس گفتہ است

جمیلہ [2] ایک شخص الف نامی نے انتقال کیا اس کی بی بی جمیلہ کو سخت صدمہ ہوا - اس نے اس کے فراق میں نوحہ لکھا اس کو بآواز بلند پڑھ رہی تھی - کہ اتنے میں اس کا باپ آ گیا - نوحہ کا مضمون حسب ذیل تھا -

میں الف پر روتی ہوں - زمانہ نے اس سے خیانت کی - اور وہ مر گیا - میں نے زمانہ سے اندوہگین ہو کر کہا - اے زمانہ تو نے برا کیا - تو نے امان جان کو کیوں چھوڑ دیا اور الف سے شروع کیا - وہ فرخندہ خصلت تھا - تیرے لیے تنہائی میں -

باپ کی کھٹ سُن کر اُسنے اشعار اس طرح بدل دیئے ؎

إنما أبكي للنخل - خانه الماء فمات   قلت للماء لم تجري

کہ میں درخت خرما پر روتی ہوں اس سے پانی نے خیانت کی - اور وہ مرجھا گیا - میں نے رنجیدہ ہو کر پانی سے کہا

أيها الماء أسأت   بم تركت الزرع   كرم وبالنخل بدأت

[1] رسالہ خاتون علیگڈھ

اے پانی تو نے برا کیا - تو نے کھیتی اور درخت انگور - کو کیوں چھوڑ دیا -

اِنَّہٗ کَانَ اَحْسَنُ شَیْءٍ — کَانَ لِیْ لِیْ فِی الثَّمَرَۃِ

وہ تو بہت اچھی چیز تھی — تھا میرے واسطے میووں میں

جہاں ملک - شاہ شجاع کی عورت تھی - نہایت عالمہ اور فاضلہ - اور فنون شاعری میں طاق - ایک دن شاہ شجاع اور جہاں ملک دونوں گھوڑوں پر سوار ہوکر شاہزادے (منوچہر) کی چوگان بازی کا تماشا دیکھ رہے تھے - اتفاقاً شاہزادہ گھوڑے سے گر پڑا - اس کے منہ پر چوٹ آئی اور خون بہنے لگا - باپ کا دل بیتاب ہوگیا - حکم دیا گھوڑے کو (جسکی قیمت ۳۰ ہزار دینار تھی) گولی مار دو - جہاں ملک کو بیٹے سے زیادہ ترس آیا - فی الفور یہ رباعی عرض کی ؎

شاہا تو ادب کن فلک بد خو را — کو چشم رسانید رخ نیکو را
گر گوئے غلط کرد بچوگاں بزنش — ور اسپ خطا کرد بمن بخش او را

لے بادشاہ اگر فلک بدخواس خوبصورت شاہزادے کو نظر بد لگائے - تو اس کو تادیب کر - اور اگر گیند نے غلطی کی ہو - تو اس کو چوگان سے مار - اور اگر گھوڑے نے خطا کی ہے - تو اسے مجھے بخش دے - اخیر مصرعہ دو پہلو رکھتا ہے - یعنی گھوڑے نے اگر غلطی کی تو مجھے دے ڈالئے - یا میری خاطر اسے بخش دیجئے - شاہ شجاع نے یہ رباعی سن کر گھوڑا جہان ملک کو لے دیا لہ

لہ شعر العجم میں مولانا شبلی نے یہ واقعہ عنصری اور سلطان محمود غزنوی سے منسوب کیا ہے

ردیف (د)

دل آرام۔ بہرام گور کی نہایت پیاری بیوی تھی۔ اپنی ظرافت طبع اور حاضر جوابیوں سے ہمیشہ اس کو خوش رکھتی تھی۔ ایک دفعہ بہرام گور شکار کھیل رہا تھا۔ دل آرام ساتھ تھی۔ دفعتاً ایک شیر سامنے سے نمودار ہوا۔ اس تنومند بادشاہ نے اس قوی ہیکل جانور کے دونوں کان پکڑ کے اس کے گلے میں ایک مضبوط رسی ڈال دی۔ اور جوش جوانمردی میں بے اختیار اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ع منم آں پیل دمان وسنم آں شیر یلہ۔ بہرام نے بی بی سے کہا اس کا جواب تو دو۔ وہ بے ساختہ بولی ع نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ۔
تذکرہ جوہر میں لکھا ہے۔ کہ اس وقت تک ایران میں شاعری کا نام بھی نہ تھا۔ بہرام و دل آرام اس فن کے پہلے موجد ہوئے ہیں۔

دنانیر۔ محمد بن کناسہ عباسی شاعر کی جاریہ کا نام ہے۔ بڑے بڑے فضلا اور شعرا اس سے ملتے اور علمی مکالمہ کرتے تھے۔ اس زمانہ کا ایک نامور ادیب علی بن عثمان ہلالی ایک دن دنانیر سے ملنے گیا۔ اثنائے گفتگو میں دنانیر نے کہا اے ابوالحسن تمہارے چہرے سے غم کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ علی بن عثمان نے کہا میرا ایک بھائی تھا وہ آج مر گیا ہے۔ اور ابھی اسے دفن کرکے چلا آ رہا ہوں۔ دنانیر نے اسی وقت بے ساختہ یہ دردناک اشعار تصنیف کئے۔

بکیت علی اخ للعٰمن قریش — فابکا نا بکاک و یا علی
تو اپنے قریش بھائی پر رویا — تیرے رونے نے اے علی ہمکو بھی رلایا
فمات وما خبرناہ ولکن — ظہار نۃ صحبۃ البخر الجلی
مرگیا اور ہمیں اس کی خبر تک نہ ہوئی لیکن - اس کے ساتھیوں کا تقدس اسکے حال کا آئینہ ہے

دنانیر - یحییٰ بن خالد برمکی کی جاریہ (لونڈی) تھی - نہایت خوش بیان خوش آواز خوش نوا - اس کی نغمہ سرائی ہارون رشید کو نہایت پسند تھی - ایک دن یحییٰ دنانیر کے ہمراہ باغ کی سیر میں مصروف تھا - کہ پھول کی تعریف میں اس نے ایک شعر کہا - اور دنانیر سے جو فن موسیقی کے علاوہ شاعری میں بھی کمال دسترس رکھتی تھی - اس کا جواب طلب کیا ؎

الورد احسن منتظرا — فتمتعوا بالحظ منہ
پھول کا جوبن بہار پر ہے — اس کی سیر کا لطف اٹھاؤ

دنانیر نے بے ساختہ جواب دیا ؎

فاذا انقضت ایامہ — قدد الخن وذنیوب عنہ
جب اسکے دن پورے ہوجائینگے — تو مصیبتیں اس پر حملہ کریں گی

یحییٰ ابن خالد جاریہ کے اس برجستہ جواب سے بہت خوش ہوا - جب جعفر برمکی کے وزیر ہارون رشید کے قتل (محرم ۱۸۷ھ) کے بعد خاندان برمکی پر زوال آیا تو خاندان کے مردوں اور عورتوں کے ساتھ دنانیر بھی گرفتار کر لی گئی تھی -

دولت - نامی ایک نابینا عورت سمرقند کی رہنے والی تھی - جب امیر تیمور نے سمرقند کو تاراج کیا - تو اتفاقیہ ایک بار امیر تیمور مع اعیان دولت

شہر میں سے گذرا۔ دولت نے اپنے مکان کے دریچہ میں سے فی البدیہہ کہا ؎

آتشے در شہر سمر قند باد ... ویں تمر لنگ چو اسپند باد

تیمور نے شعر سن لیا اور اُسے دربار میں طلب کیا اور نام دریافت کیا۔ اس نے کہا "دولت" امیر نے فرمایا دولت تو اندھی نہیں ہوتی۔ اس بے باک خاتون نے جواب دیا۔ اگر اندھی نہ ہوتی۔ تو لنگڑے کے پاس کیوں آتی ؟

ردیف (ح)

حفصہ۔ شہر رکونہ (واقعہ اسپین) کی رہنے والی تھی۔ مال وجمال۔ حسب ونسب اور فضل ودانش میں شہرہ آفاق تھی۔ مورخین نے لکھا ہے۔ کہ سلطان عبدالمومن بن علی المتوفی ۵۵۸ھ کے روبرو اس باکمال خاتون نے ذیل کے اشعار حسب فی البدیہہ سنائے تو سلطان پر وجد کی حالت طاری ہو گئی ؎

یا سیّد النّاس یا مَن ... یؤمّل النّاس رفدہٗ
اے لوگوں کے سردار تیری عنایت ... لوگوں کو امیدوار کرتی ہے
اُمنن علیّ بطرس ... یکونُ للدّھر عدّہ
مجھے ایک پروانہ عطا کر ... تاکہ زمانہ کی ضرورتوں میں کام آئے
تخطّ یمناک فیہ ... الحمدُ للہ وحدہٗ
اور دائیں ہاتھ سے اسمیں لکھ ... تمام تعریف اللہ کیلئے ہو جو اکیلا ہے

ردیف (خ)

خنساء آنحضرت صلعم کے زمانہ میں عرب کی نہایت مشہور شاعرہ تھی۔ ابن اثیر کا بیان ہے۔ کہ جناب سرورِ کائنات کے حضور میں خنساء نے اکثر اوقات اپنے اشعار پڑھے ہیں۔ اور حضور نے بہت تحسین و آفریں فرمائی ہے۔ خنساء کا ایک بھائی تھا صخر نہایت صاحب جمال وہ ایک لڑائی میں مارا گیا۔ خنساء نے اس کے غم میں دردناک مرثئے لکھے۔ اور برسوں تک اس کا ماتم منایا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کہا اے خنساء! تو پژمردہ کیوں رہتی ہے؟ جواب دیا۔ بھائی صخر اور معاویہ کے غم میں جو طویل گریہ زاری کی ہے یہ اُسی کی نشانی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ وہ تو دونوں جہنم میں گئے اب گریہ وزاری سے کیا حاصل؟ خنساء نے کہا۔ امیر المومنین! اسی لئے تو زیادہ غم کرتی ہوں۔ کہ دوزخ کی آگ کا اُن کو ایندھن نہیں دیکھنا چاہتی۔ پھر اُسی وقت یہ دو شعر پڑھے ۔

وَقَائِلَةٍ وَالنعشُ قد فَاتَ خطوهَا — لتدرِكَہ یا لھفَ نفسِی علیٰ صخر

جبکہ نعش کا چلنا کسی قدر رک گیا۔ کہنے والی کہتی تھیں ہائے نفس تو صخر کو جا مل

اَلَا ثکِلَتْ اُمُّ الذین غدَوا بہٖ — اِلی القبرِ ماذا احملوا الی القبرٖ

خبردار! جو صخر کو قبر کی طرف لیگئے۔ اُن کی مائیں اپنے بیٹوں کی وفات کے غم میں مبتلا ہوں۔ یہ لوگ کونسی چیز کس لئے قبر کیطرف لئے جاتے ہیں؟

ردیف (ذ)

ذلفاء۔ پیدائش مدینہ منورہ بعہد خلیفہ عبدالملک۔ اس کے جمال و کمال کے متعلق اُس زمانہ میں یہ شعر عام طور پر مشہور تھا ؎

اِنّما الذلفاء یاقوتۃٌ قد اُخرِجَتْ مِن کیسِ دِھقانِ

ذلفاء ایک یاقوت کا نام ہے۔ جو دہقان کی ہتھیلی سے نکالا گیا ہے

سعید بن عبدالملک نے اس کو اس کے مالک سے ۲۵ ہزار دینار میں خرید لیا۔ سعید کے مرنے کے بعد ذلفاء سلیمان بن عبدالملک کے قبضہ میں آئی۔ مگر اپنے پہلے مالک سے جو اس کو دلبستگی تھی وہ باوجود سامان شاہانہ موجود ہونے کے کبھی نہ بھولتی تھی۔ ایکمرتبہ سنان مغنی نے کچھ ایسے اشعار گائے کہ ذلفاء کی آنکھوں سے زار قطار آنسو جاری ہو گئے۔ اس کی صدائے گریہ وزاری سے سلیمان کی آنکھ کھل گئی۔ وجہ دریافت کی۔ تو بیساختہ یہ دو شعر موزون کر کے سُنا دیئے ؎

الا رُبّ صَوتٍ رائعٍ من مُشوَّہٍ قبیح المحیا واضع الاب و الجد

یروعک منہ صوتہ ولعلہ الیٰ امّہ یعزی معًا والی عبد

ذلفاء ایک عباسی رئیس ابن فرحان (بعہد ہارون رشید) کی لونڈی تھی۔ نہایت حاضر جواب۔ ذہین اور سخن گو۔ بڑے بڑے شعراء ابونواس

وغیرہ نے اس سے شادی کی خواہش کی۔ مگر اس نے کسی کو مُنہ نہ لگایا۔ ایک دن عباس بن احنف مشہور شاعر اس کے پاس آیا۔ اور یہ شعر پڑھ کے پوچھا ایسا کوئی اور شعر بھی جانتی ہے ؎

اَھْدیٰ لَہٗ احبابہ اترجۃ ... فَبَکیٰ وَاشفق من عیافۃ زاجر

اس کے دوستوں نے اسے ترنج کا ہدیہ دیا۔ تو وہ رویا اور ڈرا کہ جھڑکیاں نہ کھائے

ذلفاء نے بیساختہ اس کے جواب میں کہا ؎

خافَ التلوّنَ فِی الوِدادِ لانھّا ... لوفان باطنھا خِلاف الظاہر

وہ دوستی کے تلون سے ڈرا۔ کیونکہ اس ترنج کے کئی رنگ ہوتے ہیں باطن کچھ ظاہر کچھ۔

ابن احنف نے نہ صرف اس کی ذہانت و حاضر جوابی کی تعریف کی بلکہ بکمال منت یہ شعر اُس سے اپنے نام پر لے لیا۔ جسے اُس نے منظور کر لیا۔

ردیف (ر)

رباب[۱] سیدالشہداء امام حسینؑ کی حرم محترم تھیں۔ فہم و فراست میں بے نظیر تھیں۔ جب امام مظلوم شہید ہوئے تو بڑے بڑے روساء و شرفائے قریش نے آپ سے نکاح کی درخواست کی۔ آپ نے قطعاً انکار کیا اور فرمایا۔ رسول اللہ کے بعد میں کسی اور کو اپنا خُسر نہیں بنا سکتی۔ جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا۔ تو آپ نے ہی برجستہ و بیساختہ مگر دردانگیز منظوم کلام سے سب کے منہ بند کر دیئے ؎

اِنَّ الّذی کَانَ نُوراً یُستفادبہٖ ... بِکَربلاءِ قتیل غیر مدفون

[۱] مشاہیر نسواں

تحقیق وہ نور جس سے روشنی حاصل کرتے تھے۔ میدانِ کربلا میں بغیر مدفون پڑا ہے۔

سبطی النبی جزاکَ اللہ صالحۃ　　عنّا وجنبت خسران الموازین

اے نبی کے نواسے خدا تعالیٰ تجھ کو جزائے خیر دے اور میزان کی کمی سے بچائے

قد کنت لی جبلاً صعباً الوذ بہ　　وکنت تصحبنا بالرحم والدین

تو میرے لئے ایک مضبوط پہاڑ تھا کہ میں اسکی پناہ میں تھی۔ تو ہم میں رحم اور دین کیساتھ رہتا تھا

من للیتامیٰ ومن السائلین ومن　　یغنی ویاوی الیہ کل مسکین

آہ! اب یتیموں اور مسکینوں کا سرپرست کون ہے۔ اب حاجتمند کہاں جائیں؟

واللہِ لا ابتغی صہراً بصہرکم　　حتی اُغیب بین الرمل والطین

بخدا تمہارے رشتے کے بدلے مجھے کوئی رشتہ درکار نہیں اسوقت تک کہ میں خاک میں مل جاؤں

رابعہ بصری۔ دنیائے اسلام میں ان کے بعد آج تک ان صفات کی کوئی بی بی پیدا نہیں ہوئی۔ بڑی ذی علم، عابدہ، زاہدہ، یگانہ روزگار تھیں۔ اُم یحییٰ کے نام سے بھی مشہور تھیں۔ آپ کے تین بیٹے تھے۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ یحییٰ۔

عبداللہ بن مبارک (شاگرد امام اعظم ابو حنیفہ رح) کا بیان ہے۔ کہ میں ایک مرتبہ خانہ کعبہ اور مزار مقدس کی زیارت کو جا رہا تھا۔ سرِ راہ دیکھا کہ رابعہ بصریہ میدان میں تنہا بیٹھی ہیں۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں۔ مجھے عرصہ سے ان کی ملاقات کا اشتیاق تھا۔ فوراً اپنی اونٹنی کو ایک طرف بٹھا دیا اور خود اُن کے پاس حاضر ہو کر سلام کیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رابعہ۔ سلامٌ قولاً من ربٍّ الرحیم سلام قول ہے پروردگار مہربان

کی جانب سے۔ گویا یہ جواب تھا عبداللہ کے سلام کا ۔

عبداللہ۔ خدا تم پر رحمت کرے تم یہاں کس طرح کھڑی ہو؟

رابعہ۔ وَمَن یُضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو راہ بتانے والا کوئی نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ میں راستہ بھول گئی ہوں۔

عبداللہ۔ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

رابعہ۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ (پاک ہے وہ اللہ۔ لے گیا اپنے بندہ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصے کی طرف) مطلب یہ کہ حج سے فراغت پاکر بیت المقدس جارہی ہوں ۔

عبداللہ۔ یہاں کتنی دیر سے ہو ۔

رابعہ۔ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا۔ تین راتیں پوری ۔

عبداللہ کہتے ہیں۔ یہ جواب سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ پوچھا تمہارے پاس زادِراہ تو کچھ ہے نہیں۔ آخر تم نے بسر کیونکر کی؟

رابعہ۔ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ۔ وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ یعنی خدا میرا رزق مجھ کو بھیجدیتا ہے ۔

عبداللہ۔ وضو کس چیز سے کرتی ہو؟

رابعہ۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا۔ (نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے) یعنی تیمم کرلیتی ہوں ۔

عبداللہ۔ میرے پاس کھانا موجود ہے۔ اگر ضرورت ہو تو حاضر کروں ۔

رابعہ۔ وَاَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔ پھر تمام کرو روزے

کو تم رات تک۔ یعنی میرا روزہ ہے"

عبداللہ۔ یہ رمضان کا مہینہ تو نہیں ہے؟

رابعہ" وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ " (جو بطور نفل کے نیک کام کرے تو اللہ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے یعنی نفلی روزہ ہے)

عبداللہ۔ سفر میں روزہ افطار کر لینا جائز ہے؟

رابعہ" وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ " اگر روزہ رکھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم جانتے ہو۔

عبداللہ کہتے ہیں۔ کہ رابعہ اسی طرح ہر بات کا جواب قرآن شریف کی آیتوں سے فی البدیہہ دیتی رہی۔ میں نے تنگ آ کے کہا۔ جس طرح میں گفتگو کرتا ہوں اسی طرح تم بھی کیوں نہیں کرتیں؟

رابعہ" مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ " نہیں منہ سے نکالتا کوئی۔ کوئی بات مگر یہ کہ اس پر ایک جاسوس مقرر ہے (یعنی انسان کو اپنی بات کا آپ جواب دہ ہونا پڑیگا)

عبداللہ۔ تم کس قبیلہ سے ہو؟

رابعہ" لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا " نہ واقف ہو اس چیز سے جس کا تجھ کو علم نہیں۔ بلاشک۔ کان اور دل سب سے باز پرس ہوگی (یعنی ایسی باتوں میں دل اور کان کو آلودہ نہ کرو۔ جس کا جواب دہ ہونا پڑے)

عبداللہ۔ مجھ سے خطا ہوئی معاف کیجیے گا۔

رابعہ" لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ"
نہیں سرزنش آج تم پر اللہ تمہارے گناہ معاف کرے۔

عبداللہ - اگر تم چاہو - تو تمہیں اپنی اونٹنی پر بٹھا کے تمہارے قافلے تک تم کو پہنچا دوں۔

رابعہ" وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ - نیکی کا کام جو تم کرو گے اللہ اسکو جانتا ہے - (یعنی خدا اجر دیگا)

عبداللہ کہتے ہیں - رابعہ کے اتنا کہنے پر میں نے اپنی اونٹنی کو اس کے پاس جا کر بٹھا دیا - تو اس نے کہا - قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ -" کہہ تو مومنوں سے اپنی آنکھیں بند کرلیں (یعنی آنکھیں بند کرلو - یا منہ ایک طرف کرلو - کہ میں سوار ہو جاؤں)

عبداللہ کہتے ہیں - کہ میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں - اور کہا کہ لو - اب تم سوار ہو جاؤ - رابعہ نے اونٹنی کی طرف قدم اٹھایا ہی تھا - کہ وہ بدک گئی - اور اس کے پالان سے اس کی چادر الجھ کر پھٹ گئی - اس پر عبداللہ بن مبارک نے افسوس کا اظہار کیا تو کہا:

رابعہ" وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ - اور تم کو جو مصیبت پہنچے وہ خود تمہارے ہاتھوں سے ہے - (یعنی بھائی اس میں تمہارا کیا قصور! میرے اعمال کا نتیجہ ہے)

عبداللہ - ذرا ٹھہرو - میں اونٹنی کو باندھ دوں۔

رابعہ" فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ" (بس سمجھایا ہے سلیمان کو) یعنی بدون سرزنش کے یہ سیدھی طرح سوار نہ ہونے دیگی - تم

اس کو ضرور باندھو
عبداللہ نے اونٹنی کو باندھا۔ رابعہ سوار ہو گئیں۔ اور کہا۔ "سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ۔ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ"! پاک ہے وہ اللہ جس نے اس کو ہمارا مطیع کیا اور ہم اس کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ اور ہم اپنے پروردگار کی طرف توجہ کرنے والے ہیں۔ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے حیوانوں کو ہمارا تابعدار بنایا۔

عبداللہ نے اُونٹنی کی مُہار اپنے ہاتھ میں لی۔ حُدی خوانی کرتے چلے۔ لیکن آواز جوش میں زیادہ بلند ہو گئی۔ اور اُونٹنی نے بھی قدم تیز تیز اُٹھانا شروع کیا۔

رابعہ "وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ" ترقی کرو اپنی چال میں اور دھیما کرو اپنی آواز کو۔

عبداللہ نے اُونٹنی کو ذرا دھیما کر دیا۔ اور بلند آہنگی سے حُدی خوانی کرنے کی بجائے مُنہ ہی میں گنگنانے لگے۔

رابعہ "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔" پڑھو جس قدر توفیق ہو قرآن سے۔ یعنی ان اشعار سے تو قرآن کے کسی رکوع کی تلاوت کرو۔ تو بہتر ہے۔

عبداللہ نے کہا۔ اللہ نے تم کو بہت خوبیاں دی ہیں۔ سب لوگ تم جیسے ہی کس طرح ہو جائیں۔

رابعہ "وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ" نہیں سمجھتے مگر صاحبان عقل۔ یعنی نیکیاں حاصل کرنے ہی سے ہو سکتی ہیں۔

تم بھی عقل والے ہو، بھلائی کی جانب چلو۔

عبداللہ۔ کیا تمہارے شوہر زندہ ہیں؟

رابعہ:۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ۔ "اے ایمان والو۔ ان باتوں کو دریافت نہ کرو۔ جو اگر تم پر ظاہر ہو جائیں تو ناگوار معلوم ہوں (یعنی تم کو اس سوال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیوں تم پوچھتے ہو)

عبداللہ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اور جب تک قافلہ کے پاس نہ پہنچ گئے اُن سے کوئی بات چیت نہ کی۔ جب قافلہ آ گیا تو کہا بتاؤ ان میں تمہارا کون ہے؟

رابعہ:۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ "مال اور اولاد دنیا کی زینت ہیں۔ عبداللہ کہتے ہیں میں نے اس سے یہ سمجھا کہ ان کا کوئی بیٹا اس قافلہ میں ہے۔

عبداللہ۔ وہ کیا کرتے ہیں اور اُن کا کیا پتہ ہے؟

رابعہ۔ وَعَلٰمٰتٍ ط وَبِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ۔" اور علامتیں ہیں تاروں سے راستہ پاتے ہیں (یعنی میرے لڑکے قافلہ کے راہبر ہیں۔

عبداللہ اونٹنی کی مُہار پکڑ کر قافلہ میں رہبروں کے حلقے میں پھرنے لگے۔ اور رابعہ سے کہا۔ اپنا خیمہ پہچانو۔ اور لڑکوں کے نام سے آگاہ کرو۔

رابعہ:۔ وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ۔" بنایا اللہ نے ابراہیم کو دوست اور بات کی اللہ نے موسیٰ سے اچھی طرح۔ اے یحییٰ لے لو کتاب کو مضبوطی

سے (یعنی یہاں تم ابراہیم - موسیٰ - یحییٰ کو آواز دو - اور اُن سے بات کرو - وہی میرے فرزند ہیں)

عبداللہ کہتے ہیں - کہ میں سمجھ گیا - کہ یہ ان کے بیٹوں کے نام ہیں ان کو آوازیں دیں - تین نوعمر لڑکے خیمہ سے باہر نکلے - اونہوں نے رابعہ کو اونٹنی سے اُتارا - اور عبداللہ سے باتیں کرنے لگے - رابعہ نے بیٹوں سے کہا "فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ" اپنے میں سے ایک کو اپنا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ دیکھے کہ کس کے ہاں اچھا کھانا ہے تو اس میں سے کھانا تمہارے پاس لے آئے

یہ سُن کر ان میں سے ایک گیا اور کھانا بازار سے لے آیا - اور عبداللہ کے سامنے رکھ دیا ؛

رابعہ "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔــۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ" کھاؤ اور پیؤ برکت کے ساتھ - بعوض جو گذشتہ خالی دنوں میں تم کر چکے ہو (یعنی اُن دنوں کے عوض میں جن میں تم روزہ دار تھے آج خوب کھاؤ اور پیؤ)

عبداللہ کہتے ہیں - میں بہت حیران تھا - کہ الٰہی اس کو قرآن کریم پر کس قدر مہارت اور عبور ہے - آخر میں نے اس کے بیٹوں سے کہا - مجھ پر تمہارا کھانا پینا حرام ہے جب تک تم مجھے اس کے حالات سے باخبر نہ کرو - ابراہیم نے کہا - حال یہی ہے کہ یہ ہماری والدہ ہیں چالیس سال ہو گئے - انہوں نے زبان سے کوئی لفظ سوائے فقرات کلام مجید کے نہیں نکالا - اس خوف سے کہ زبان کی لغزش سے کوئی

ایسا لفظ نہ نکل جائے جس کی قیامت کے روز جوابدہی کرنی پڑے۔ عبداللہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ"

ذکر ہے۔ کہ ایک شخص نے رابعہ بصری سے کہا۔ انبیاء سب مرد ہی ہوئے ہیں۔ اور یہ دلیل مردوں کی فضیلت کے لئے کافی ہے رابعہ نے کہا۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن اگر عورتیں نہ ہوتیں تو انبیاء کا وجود بھی نہ ہوتا۔

ردیف (ز)

زوجہ سالم۔ عرب کے ایام جاہلیت میں قبیلہ بنی عنبر میں ایک شخص سالم بن قحفان بڑا مہمان نواز گذرا ہے۔ ایک دفعہ اس کے ہاں ایک مہمان آیا۔ ایک اونٹ اس کی نذر کیا۔ اور بیوی سے کہا کہ تو رسیاں فراہم کر۔ اسی طرح تین مرتبہ اس نے اونٹ دیا۔ اور تین ہی مرتبہ اس نے بیوی کو رسیوں کے فراہم کرنے کا کام سپرد کیا۔ اس نے گھبرا کر کہا۔ رسیاں کہاں سے لاؤں؟ یہ میرے سر کا کپڑا ہے۔ جس طرح چاہو اس کی رسیاں بنالو۔ سالم خود بھی شاعر تھا اور اس کی بیوی بھی۔ اس نے بیوی کی یہ حالت دیکھ کر فی البدیہہ نظم کہی۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ نیک بخت اونٹوں کے ہبہ کرنے پر مجھے ملامت نہ کر یہ شہرت کا سرمایہ ہیں۔ اور دیت کا عوض بنائے جانے کے قابل ہیں بیوی بھی حاضر جواب اور بدیہہ گو تھی۔ فوراً شعروں ہی میں جواب دیا۔

حلفت یمینا یا ابن قحفان بالذی　　تکفل بالارزاق فی السھل والجبل

اے ابن قحفان میں اس کی قسم کھا کے کہتی ہوں جس نے ہر جگہ رزق پہنچانے کا ذمہ لیا ہے

نزال حبال محصدات اعدھا　　لھا ما مشی منھا علی خفہ جمل

میں ہمیشہ اسوقت تک رسیاں بٹتی رہونگی جبتک زمین پر اونٹ اپنا کھر رکھ کر چلتے رہینگے

فاعط ولا تبخل لمن جاء طالبا　　فعندی لھا خطم وقد زاحت العلل

پس تو دے اور سائل کیلئے بخل مت کر۔ ان اونٹوں کے لئے رسیاں میں دیتی ہوں۔

زیب النساء بیگم مخفی ۔ اورنگ زیب عالمگیر جیسے جلیل القدر شہنشاہ کی بیٹی تھی ۱۰۴۸ھ میں پیدا ہوئی۔ قرآن شریف کی حافظہ تھی۔ مُلا جیون جیسے باکمال سے صرف و نحو و فقہ اور محمد سعید اشرف اصفہانی سے شاعری میں تعلیم حاصل کی۔ خط ایسا صاف اور نستعلیق تھا۔ کہ بہت کم خوش قلم اس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ بہت سی فاضلہ عورتوں کی طرح زیب النساء نے بھی تمام عمر شادی نہیں کی۔ اکثر کتابیں اس کی یادگار ہیں۔ اس کا بڑا جوہر اس کا منظوم کلام ہے۔ جو "دیوانِ مخفی" کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۱۱۳ھ میں بعمر ۶۵ سال رحلت کر گئی۔ مدفن بمقام دہلی تیس ہزاری باغ میں ہے۔

زیب النساء کی اکثر رباعیاں اور غزلیں مشہور ہیں۔ اور اگرچہ اس کی طرف بہت سے لطیفے بلکہ ہزلیات منسوب کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے کلام سے پایا جاتا ہے۔ کہ ایک قسم کی دردناک حالت اس کی طبیعت پر چھائی رہتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک ایرانی شہزادہ نے مشاعرہ میں یہ شعر پڑھا ؎

مقرر کردہ ام در دل ازیں درگہ نخواہم یافت
سرایں جا سجدہ اینجا بندگی ایں جا قرار اینجا

زیب النساء نے فی البدیہہ کہا ؎

چہ آساں دیدۂ زاہد طریق عشق بازی را
تپ اینجا آتش ایں جا اخگر ایں جا شعلہ نار اینجا

ایک مرتبہ زیب النساء نے اپنے ہمعصر شعراء کے سامنے اپنا یہ شعر پیش کیا ؎

گرچہ من لیلیٰ اساسم دل چو مجنوں در ہوا ست
سر بصحرا مے زنم لیکن حیا زنجیر پا ست

اس پر پختہ مغز شاعر ناصر علی نے ذیل کا شعر جواب میں لکھا ؎

عشق تا خام است باشد بستۂ ناموس و ننگ
پختہ کارانِ جنوں را کے حیا زنجیر پا ست

زیب النساء نے فوراً جواب الجواب لکھا ؎

پاکبازانِ محبت را حیا باشد مدام
چوں تو مرغ بے حیا را کے حیا زنجیر پا ست

ایک مرتبہ زیب النساء کی شان میں اس کے ہمعصر شاعر ناصر علی نے ایک گستاخانہ شعر لکھا۔ شہزادی نے کمال تحمل سے کام لے کر اُسی وقت جواب میں لکھا ؎

ناصر علی بنامِ علی بُردہ ہپناہ   ورنہ بذو الفقارِ علی سر بریدہ مست

زیب النساء ایک دفعہ باغ میں جلوہ افروز تھی۔ صبح کا سہانا وقت تھا۔ ہوا اعتدال سے چل رہی تھی۔ بلبلوں کے چہچہے اور قمریوں کی کوکو نے

گلشن کی رونق کو دو بالا کر رکھا تھا۔ طبیعت جو آئی تو نہر کے کنارے فرش پر بیٹھ گئی۔ اور بے خودی میں یہ شعر زبان سے نکل گیا ے

چہار چیز کہ دل مے برد کدام چہار
شراب و سبزہ و آب روان رُوئے نگار

اس کو بار بار دُہراتی اور لطفِ مضمون کا مزا لیتی تھی۔ کہ ناگاہ شہنشاہ عالمگیر، تشریف لے آئے۔ زیب النساء نے جو پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ تو شہنشاہ کی موجودگی سے کانپ اُٹھی۔ خیال ہوا کہ شاید انہوں نے شعر سُن نہ لیا ہو۔ فوراً مضمون بدل دیا اور پڑھنے لگی ے

چہار چیز کہ دل مے برد کدام چہار
نماز و روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

مشہور ہے۔ کہ زیب النسا ایک مرتبہ کسی باغ[1] میں اپنی خواصوں کے ساتھ ٹہل رہی تھی۔ جب آبشار کے پاس پہنچی۔ اور وہاں پانی کی اُچھل کود اور اس کے نشیب و فراز کی کیفیت دیکھی۔ تو اس کو ایسے درد انگیز اور عجیب پیرایہ میں ظاہر کیا۔ جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ گذرا تھا۔ فرماتی ہیں ے

اے آبشار نوحہ گر از بہر کیستی؟ | چیں بر جبیں فگندہ ز اندوہ کیستی
آیا چہ درد بود کہ چوں من تمام شب | سر را بہ سنگ میزدی و مے گریستی

ایک مرتبہ زیب النساء کے سامنے یہ مصرعہ پڑھا گیا ع

صبا را شرم مے آید بروئے گل نگہ کردن

[1] تاریخ شالا مار باغ لاہور میں لکھا ہے۔ کہ یہ واقعہ شالا مار باغ میں ہوا تھا۔

زیب النساء نے اُسی وقت یہ مصرعہ کہہ کر ع

کہ رخت غنچہ را وا کرد و نتوانست نہ کردن

شعر پورا کر دیا۔

ایک مرتبہ امانی بیگم (کنیز باتمیز) نے شاہزادی سے کہا مرزا نے مشاعرے میں ایک طرح ہوئی ہے۔ آپ بھی کچھ کہیں۔ طرح یہ تھی

ع لخت لخت جگرم مضمحل آید بیرون

یہ زمانہ شاہزادی کی ابتدائی شاعری کا تھا۔ تاہم اس نے معاً کہا ؎

گر مرا شعلۂ آہے ز دل آید بیروں
لخت لخت جگرم مضمحل آید بیروں

زیب النسا کے مزاج میں سادگی بہت تھی۔ اور زینت و تکلف کو کم دخل تھا۔ کسی نے کنایتہً اُس کو نصیحت کی۔ کہ بادشاہوں کو اپنی شان کے مطابق شہنشاہانہ کر و فر کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اس نے نہایت بے اعتنائی سے جواب دیا ؎

دختر شاہم ولیکن رو بفقر آوردہ ام
زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النساءست

کسی شاعر[1] نے شاہزادی کو دو شعر لکھ کے ارسال کئے جس کے آخری دو مصرعے حسب ذیل تھے ؎

---

[1] کسی تحریر میں اس شاعر کو ایرانی شاہزادہ لکھا گیا ہے۔ اور اس نے جو مشاعرہ کی طرحی غزل لکھی۔ اس کے حسب ذیل مطلع میں اشارہ زیب النساء کی طرف بتایا گیا ہے ؎

ترا اے مہ جبیں بے پردہ دیدن آرزو دارم
جمالت ہائے حسنت را رسیدن آرزو دارم

خود نمائی میکنی اے شمع محفل خوب نیست

من ہمے خواہم کہ روزے در چمن بینم ترا

شاہزادی کا تخلص مخفی تھا۔ گو محققوں کو اس میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ بہرحال جواب میں جس خوبی سے اپنا تخلص نباہا ہے وہ قابل داد ہے

بیت

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

در سخن مخفی شدم چوں بوئے گل در برگ گل
میل دیدن ہر کہ دارد در سخن بیند مرا

عالمگیر کی سرکار میں عاقل خاں ایک جلیل القدر عہدہ دار تھا۔ اس نے کسی بات پر ناراض ہو کر استعفےٰ دیدیا۔ اور بعد میں پھر ملازمت کی خواہش کی۔ زیب النسا نے اس پر ایک شعر لکھا۔ جو آج تک ورد زبان ہے۔ بلکہ اس شعر کا آخری ٹکڑا یعنی دوسرا مصرعہ تو ایک ضرب المثل مشہور ہو گیا ہے شعر حسب ذیل ہے

شنیدم ترکِ خدمت کرد عاقل خاں بنادانی

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی!

ردیفِ (س)

سلامہ۔ حسن و جمال۔ عقل و کمال۔ روایت حدیث۔ قرات قرآن اور فن شعر میں بے مثال تھی۔ جاریہ (لونڈی) تھی اور مدینہ میں رہتی تھی۔ احوص اور ابن حسان عرب کے دو مشہور شاعر اس کے پاس عموماً آتے رہتے تھے۔ اور مشاغل علمی اور شاعرانہ حاضر جوابیوں کا لطف

اُٹھایا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ سلامہ کو احوص سے وابستگی ہو گئی۔ ابن حسان نے بُرا منایا اور فی البدیہہ کہا ؎

ارى الاقبال منك على خليلي	ومالى فى حديثكم نصيب
میرے ساتھی کی طرف تیری توجہ زیادہ ہے	لیکن میرے ساتھ تو بات بھی نہیں کرتی

سلامہ نے فوراً نظم ہی میں جواب دیا ؎

لان الله علقه فوادى	فحاز الحب دونكم الحبيب
خدا نے میرے دل میں اسکی محبت ڈالدی ہے	اور دوست نے محبت پر احاطہ کرلیا ہے

احوص نے ابن حسان سے کہا ؎

خليلى لاتبلنها فى هواها

اے دوست تو خواہ مخواہ اسکی محبت میں مضطرب نہ ہو

الذ العيش ماتهوى القلوب

سب سے لذیذ عیش وہ ہے جسے دل چاہے۔

ابن حسان یہ بے رخی برداشت نہ کر سکا اور فوراً یزید بن معاویہ کے دربار میں شام کی طرف چلا گیا۔ وہاں رفتہ رفتہ رسائی حاصل کرکے یزید سے کہا۔ مدینہ میں قریش کی ایک عورت کے پاس میں نے ایک جاریہ دیکھی ہے۔ جو ایسی دانشمند اور باتمیز اور عاقلہ عالمہ ہے کہ امیر المومنین کے حرم کی زینت اس سے دُگنی ہو جائے گی۔ یزید نے فوراً احکام جاری کر دیئے۔ سلامہ جبراً قہراً مدینہ سے دمشق پہنچ کر حرم سرائے شاہی میں داخل ہو گئی۔

احوص بھی مدینہ سے دمشق روانہ ہو گیا۔ اور وہ بھی رفتہ رفتہ یزید کے دربار میں پہنچ گیا۔ ایک بادشاہی خادم کے ذریعہ احوص اور

سلامہ کے سلام و پیام ہونے لگے۔ اسی خادم نے ساری باتیں یزید سے بھی کہہ دیں۔ آخر جب ملاقات کا وقت مقرر ہوُا۔ تو یزید پس پردہ بیٹھ کر ان کی باتیں سُننے لگا۔ پہلے دونوں روتے رہے۔ پھر ایک دوسرے کی جدائی کے صدموں کا حال بیان کرتے رہے۔ جب پچھلے پہر رخصت ہونے لگے۔ تو احوص نے کہا ؎

اسی فؤادی فی ہم و بلبال | من حب من لم ازل منہ علی بال
اُس محبوبہ کی محبت سے جس نے کہ میرے دل میں جگہ کر لی ہے۔ میرا دل فرقت کے رنج و غم میں مبتلا ہے

سلامہ نے کہا ؎

مثل المحبون بعد النای اذ یئسوا | وقد یئست وما اصحو علی حالی
محبت کرنے والے عین نا امیدی میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور میں بھی نا امید تو ہو گئی لیکن ابھی تک رنج فرقت کا مداوا نہیں ہوا

احوص نے کہا ؎

من کان یسلو بیاس عن اخی ثقۃ | فعن سلامۃ ما امسیت بالسانی
ممکن ہے، کوئی شخص نا امیدی میں تسلی پذیر ہو جائے لیکن سلامہ کی دوری جدائی نے مجھ کو کوئی تسلی نہیں دی

سلامہ نے کہا ؎

واللہ واللہ لا انساک یا سکنی | حتی یفارق منی الروح اوصالی
اے میری ہمنشین تجھے ہرگز نہ بھولونگی۔ | جب تک کہ روح میرے جسم سے جدا نہ ہو جائے

احوص نے کہا ؎

واللہ ما خاب من امسی وانت لہ | یا قرۃ العین فی اہلی وفی مالی
اے تو کہ جو اہل و مال میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ | تو جسکی ہو گئی وہ کبھی ناکام نہیں ہوسکتا

اس شاعرانہ مکالمہ کے بعد احوص باہر نکلا۔ یزید نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ پھر سلامہ کو بلایا اور کہا کہ بتاؤ آج رات تم میں کیا کیا باتیں

ہوئیں۔ جو کچھ گذرا تھا۔ انہوں نے من وعن بیان کر دیا۔ یزید نے احوص سے کہا۔ کیا فی الواقعہ تم کو سلامہ سے محبت ہے۔ اس نے کہا ؎

حبا شدیدا تلیدا غیر مطرف ۔ بین الجوانح مثل النار یضطرم

پرانی اور نہ ہٹنے والی محبت ۔ پسلیوں میں آگ کی طرح بھڑک رہی ہے

یزید نے پھر سلامہ سے یہی سوال کیا۔ اس نے بھی فی البدیہہ کہا ؎

حبا شدیدا جری کالروح فی جسدی

نہ ہٹنے والی محبت میرے جسم میں روح کی طرح سرایت کر گئی ہے

فہل یفرق بین الروح والجسد

تو کیا روح اور جسم میں مفارقت ہو سکتی ہے ؟

یزید نے ان دونوں کو انعام اکرام دے کر رخصت کر دیا۔ اور وہ ہنسی خوشی مدینہ واپس چلے آئے ؂

سودۃ ہمدانیہ۔ عمارہ بنت اشتر ہمدانی کی بیٹی تھی۔ اور عمارہ ہی کے نام سے زیادہ تر مشہور تھی۔ اپنے شہر کے حاکم ابن ارطاۃ کے ظلم وستم۔ جبر و تشدد اور اس کی ناانصافیوں سے تنگ آکر حضرت معاویہؓ کے دربار میں گئی۔ اور کہا خدا تعالےٰ نے آپ کو ہمارا سردار بنایا ہے۔ اور ایک دن آئیگا۔ کہ امیر المومنین سے وہ ان تمام فرائض کی باز پرس کریگا۔ جو رعیت کے واسطے بادشاہ پہ لازم ہیں یہ جانتے ہوئے بھی تعجب ہے کہ امیر المومنین نے ہم پر ایسے شخص (ابن ارطاۃ) کو حاکم کیا ہے جس نے ہمارے شہر اجاڑ دیئے ہیں۔ اگر آپ ایسے ظالم حاکم کو معزول کر دینگے تو ہم مشکور ہونگے ورنہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

امیر معاویہ نے کہا۔ عمارہ تو نے مجھے اپنی قوم کی طاقت دکھانے کی دھمکی دی ہے۔ واللہ میں چاہتا ہوں۔ کہ تجھ کو زبردستی ابن ارطاۃ کے پاس بھیجدوں۔ تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تجھے سزا دے سکے۔ یہ سُن کر عمارہ پہلے تو خاموش رہی۔ پھر جوش میں آکر یہ شعر پڑھے۔ جو اسی وقت اُس نے موزون کیئے تھے ؎

عصلی الالہ علیٰ رُوح تضمنہ
قبر فاصبح فیہ العدل مدفونا

اللہ کی رحمت اس روح پر ہو۔ جو قبر میں گیا دفن ہمیں کہ تمام عدل بھی ساتھ دفن ہو گیا

قد حالف الحق لا یبغی بہ ثمنا
فصار بالحق والایمان مقرونا

اُسنے حق سے پیمان باندھا تھا اسپر قیمت کا طلبگار نہ تھا پس وہ حق اور ایمان کے ساتھ ساتھ تھا

حضرت معاویہؓ نے پُوچھا یہ کون شخص ہے جس کی تو نے تعریف کی ہے۔ کہا علی ابن ابی طالب۔ جو اپنے ظالم گورنروں کے ظلم وستم اور مظلوموں کی فریاد سُن کر کہتا تھا۔ اے اللہ! میں نے ہرگز ان کو حکم نہیں دیا۔ کہ وہ تیرے حقوق بھول جائیں اور تیری مخلوق پر ظلم کریں۔ جو ظالم عاملوں کو موقوف کرتا اور انکو سزائیں دیتا تھا۔ عمارہ آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس جاتی ہے ؎

ردیف (ص)

صدقہ۔ بغداد کی ایک جوان صاحب کمال لڑکی کا نام تھا۔ ایک ہاشمی النسل نوجوان نے اس کی شہرت سُن کر اس کو شادی کا پیغام دیا۔

اور اپنی عاشقانہ محبت کا اظہار کیا۔ لیکن کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ آخر وہ ایک دن صدقہ کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ دروازہ کے باہر کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ شعر پڑھے

یَا اَھْلَ ھٰذَا الْحَلَقَہ ھَلْ عِنْدَکُمْ مِنْ شَفَقَہ
عَنْ سَائِلٍ اَتَاکُمْ یَرْتَجِیْ مِنْکُمْ صَدَقَہ

اے اہلِ حلقہ (گھر والو) کیا تم ایک سائل پر مہربانی کر سکتے ہو۔ جو آیا ہے اور مانگتا ہے صدقہ (صدقہ نام عورت اور صدقہ بمعنے خیرات)

صدقہ نے آواز سُنی۔ سمجھ گئی۔ وہی ہاشمی ہے جس کے پیغام آتے رہتے ہیں۔ اندر سے جواب دیا اور کیا برجستہ جواب دیا ہے

یَا مَنْ اَتَانَا سَرَقَہ اَحْشَاءُہٗ مُحْتَرِقَہ
جَدُّکَ یَا ھٰذَا الْفَتٰی حَرَّمَ عَلَیْکَ صَدَقَہ

اے وہ شخص کہ ہم پر چور بن کر آیا ہے کہ جگر اس کا جلا ہوا ہے۔ دادا تیرے نے اے جوان! حرام کیا ہے تجھ پر صدقہ ۔

اس فی البدیہہ شعر سے یہی دو مطلب ظاہر ہوتے ہیں (۱) یہ شخص ہاشمی تھا۔ اور آلِ رسول پر خیرات حرام ہے۔ جد سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ الامجاد ہیں (۲) صدقہ نام اُس عورت کا بھی ہے جو جواب دے رہی ہے ۔

ردیف (ع)

عائشہ۔ قرطبہ کے ایک شخص احمد نام کی بیٹی تھی۔ وہ اندلس

کے بادشاہوں تک سے بے دھڑک اور بلا خوف کلام کرتی تھی۔ اور بدیہہ گوئی میں مہارت کامل رکھتی تھی۔ شعر و ادب اور فن کتابت میں باکمال تھی۔ اس فاضلہ نے ساری عمر نکاح نہیں کیا۔ اور سنہ میں وفات پائی۔

بادشاہ منظفر بن منصور بن ابی عامر نے اس کی شہرت سن کر اُسے بلوایا اور کہا فی البدیہہ کوئی شعر سناؤ۔ عائشہ نے آل عامر کی مدح میں اُسی وقت ایک قصیدہ تصنیف کیا۔ چنانچہ وہ پڑھتی جاتی تھی اور لوگ لکھتے جاتے تھے۔ اشعار زیادہ ہیں۔ یہاں صرف آخری دو شعر لکھے جاتے ہیں ؎

فانتم آل عامر خیر آل ۔ زکا الابناء منکم والجدود
پس تم اے آل عامر سب سے شریف اولاد ہو ۔ تمہارے باپ اور بیٹے سب ذہین ہیں
ولیدکم لدی رای کشیخ ۔ وشیخکم لدی حرب ولید
تمہارے بچے رائے زنی کیوقت بوڑھے (تجربہ کار) اور تمہارے بوڑھے شمشیر زنی کیوقت بچے (جوان) ہیں

عبادیہ۔ اندلس کی ادیبہ شاعرہ اور ظریفہ و کاتبہ تھی۔ ایک رئیس نے اُسے معتمد (بادشاہ اندلس) کے باپ عباد کے پاس تحفۃً بھیجا تھا۔ لکھا ہے۔ کہ ایک رات اتفاق سے عباد کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا۔ کہ عبادیہ خواب راحت میں مست و مدہوش ہے۔ اُس کو دیکھ کر یہ شعر فی البدیہہ پڑھا ؎

تنام ومدنفها یسهر ۔ وتصبر عنها ولا یصبر
وہ سوتی ہے اور اس کا عاشق جاگتا ہے ۔ اسکو عاشق سے صبر ہے مگر اس عاشق کو اُس سے۔

عبادیہ شعر کی آواز سُن کر چونک پڑی اور آنکھیں ملتے ہوئے بیساختہ بولی ۔ ؎

لئن دام ھذا وھذا لہٗ   سیھلکُ واحد ولا یشعر

اگر اسکی یہ اور اُسکی وہ حالت رہی تو ان میں سے ایک عنقریب ہلاک ہوگا اور خبر بھی نہ ہوگی

عقیبا ۔ بنی حنظلہ کا ایک شخص اپنے دو غلاموں کی تلاش میں نکلا ۔ بارش کی وجہ سے اُسے صرف ایک موضع میں قیام کرنا پڑا ۔ ایک حسین لڑکی جس کی روشن آنکھیں موتیوں کی طرح چمکتی تھیں معہ اپنے خاندان کے اس کی میزبان ہوئی ۔ وہ شخص کہتا ہے ۔ جب میں وہاں سے روانہ ہونے لگا ۔ تو اُس لڑکی نے کہا ۔ آپ کہاں جائینگے ؟ میں نے کہا یمامہ ۔ یمامہ کا نام سُنتے ہی اُس نے سرد آہ بھری اور کہا چلے جائیے نزدیک ہی ہے اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

تذکرنی بلاداً خیر اھلہا   بہا اھل المروۃ والکرامۃ

تو مجھ کو وہ شہر یاد دلاتا ہے جہاں میرے بہترین اہل و تعلقدار ہیں انہیں اہل مروت و اہل کرامت ہی ہیں

وہ شخص کہتا ہے ۔ میں نے پوچھا ۔ کیا تمہارا عقد ہو چکا ہے ؟ جواب دیتی ہے ؎

اِذَا رَقَدَ النِّیَامُ فَاِنَّ عَمْرًا   تُؤَرِّقُہُ الْھُمُوْمُ اِلَی الصَّبَاحِ

جب سونے والے سو رہتے ہیں ۔ تو غم و فکر عمرو کو جگائے رکھتے ہیں ۔

وہ شخص کہتا ہے میں نے پوچھا یہ عمرو کون ہے ؟ جواب دیا ؎

سَاَلْتَ وَلَوْ عَلِمْتَ کَفَفْتَ عَنْہُ   وَمَنْ لَکَ بِالْجَوَابِ سِوَی الْخَبِیْرِ

تو نے پوچھا تو ہے لیکن اگر تجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون ہے ۔ تو تو یہ سوال ہی نہ کرتا ۔ سوائے واقف کے کون شخص تجھے اس سوال کا جواب دے سکتا ہے

اِس کے بعد چند شعر اُس نے اور پڑھے اور پھر خاموش ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ کسی سے ہمکلام ہے اور مخاطب کی کوئی بات سُن رہی ہے۔ تھوڑے سے وقفہ کے بعد اُس نے کہا ؎

یُخَیَّلُ لِیْ هَیَا عَمْرُو بْنَ کَعْبٍ کَاَنَّكَ قَدْ حُمِلْتَ عَلَی السَّرِیْرِ

مجھے خیال ہوتا ہے کہ اے عمرو بن کعب گویا لوگ تیرا جنازہ اُٹھائے جا رہے ہیں

فَاِنْ تَكُ هٰكَذَا یَا عَمْرُو اِنِّیْ مُبَكِّرَةٌ عَلَیْكَ اِلَی الْقُبُوْرِ

پس اے عمرو اگر یہ بات ہے تو میں صبح سویرے تیرے پاس قبرستان میں پہنچوں گی

یہ کہہ کر اُس نے ایک چیخ ماری۔ بے ہوش کر گر پڑی۔ اور اسی وقت اُس کا دم نکل گیا۔ معلوم ہوا۔ عمرو بن کعب اُس کا خاوند بھی تھا اور چچیرا بھائی بھی تھا۔ جب وہ شخص بیاسہ پہنچا۔ تو اُس نے عمرو بن کعب کی تلاش کی۔ اُسے معلوم ہوا۔ کہ اُس کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ دفن کیا جا چکا ہے ٭

ردیف (ف)

فاطمہ۔ یحییٰ برمکی کی بی بی جعفر برمکی کی والدہ اور خلیفہ ہارون رشید کی رضاعی ماں کا نام ہے۔ بڑی عالمہ متکلمہ اور فن کتابت و حساب میں فرد تھی۔ ہارون نے اُس کے خاوند یحییٰ برمکی (وزیر) کو قید میں ڈال دیا۔ اور برامکہ خاندان کے تمام احسانات فراموش کر کے ان کو سخت اذیتیں دیں۔ لیکن باوجود اس ناراضگی کے فاطمہ (اپنی رضاعی ماں) کی بڑی عزت کرتا تھا۔ فاطمہ ان وحشت ناک سختیوں کی تاب نہ لا کر

رقہ سے بغداد آئی۔ مگر دربانوں نے محل شاہی میں داخل نہ ہونے دیا۔ اُس نے نقاب اُتار دیا اور ننگے پاؤں محل میں مردانہ وار داخل ہو گئی۔ ہارون کو خبر ہوئی۔ وہ گھبرا کر اُٹھا اور برہنہ پا چل کر چند قدم استقبال کیا۔ اور پیشانی کا بوسہ لے کر پاس بٹھایا۔ فاطمہ نے کہا۔ کیا زمانہ ہم پر اسی طرح سختی کرتا رہے گا اور ہم بے گناہ ہی تہمتوں کا شکار ہوتے رہینگے؟ فاطمہ نے اپنے اور اپنے خاوند کے احسانات بیان کئے۔ ہارون نے کہا لیکن جو حکم الٰہی تھا وہ ہو چکا ہے۔ فاطمہ نے کہا۔ خدا کو بڑی قدرت ہے "یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ"۔ مٹا دیتا ہے اللہ تعالےٰ جو وہ چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اور اُسی کے پاس ام الکتاب ہے"۔

ہارون۔ یہ صحیح ہے کہ خدا جس کا چاہتا ہے قصور معاف کر دیتا ہے۔ مگر یہ قصور ایسا نہیں کہ وہ معاف کر دے۔

فاطمہ۔ امیر المومنین نے کس دلیل پر یہ کہدیا ہے کہ خدا معاف نہیں کریگا۔ یہ چبھتا ہُوا فقرہ سُن کر ہارون رشید پہلے تو خاموش ہو گیا پھر کسی شاعر کا یہ شعر پڑھا ؎

وَاِذَا الْمَنِیَّۃُ اَنْشَبَتْ اَظْفَارَھَا — اَلْفَیْتَ کُلَّ تَمِیْمَۃٍ لَّا تَنْفَعُ

جب موت اپنے ناخن چبھوتی ہے — تو کوئی تعویذ فائدہ نہیں دیتا

فاطمہ۔ امیر المومنین میں تو یحییٰ کے حق میں تعویذ نہیں ہوں اور نہ میرا یہ دعوے ہے۔ لیکن آپ اسی شاعر کا دُوسرا شعر کیوں نہیں پڑھتے ؎

وَاِذَا افْتَقَرْتَ اِلَی الذَّخَائِرِ لَمْ تَجِدْ — ذُخْرًا یَکُوْنُ کَصَالِحِ الْاَعْمَالِ

جب تم کو سرمائے کی ضرورت پیش آئے۔ تو کوئی سرمایہ اچھے اعمال سے بڑھ کر نہیں ہوگا

یہ سُن کر ہارون نے سر جُھکا لیا۔ اس کے بعد دیر تک عالمانہ گفتگو ہوتی رہی۔ مگر یحییٰ کی رہائی کے لئے فاطمہ کی تمام کوششیں رائیگان گئیں ۔

فاطمہ سلطان۔ اس نام کی ایک عورت ۱۲۹۲؁ھ میں دہلی کے مدرسہ زنانہ واقع ٹھیا محل کی مدرّسہ تھی۔ اُردو فارسی میں مہارت کامل رکھتی تھی۔ اور فی البدیہہ جواب دینے اور نظم کہنے میں خاص شہرت رکھتی تھی۔ ایک مرتبہ اس کے اُستاد نے کسی بات پہ کہا ؏

"آپ کی مرضی ہم نے پالی ہے" فاطمہ نے فوراً اس کا جواب دیا ؏

"پھر یہ کیوں لیت و لعل ڈالی ہے" ۔

فضل۔ تذکرۃ الخواتین میں ابن ظافر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ خلیفہ متوکّل عباسی کے حرم میں ایک جاریہ تھی۔ نام اس کا فضل تھا۔ بڑی رمز شناس اور بدیہہ گو تھی۔ ایک دن خلیفہ نے ایک شعر پڑھا اور حکم دیا۔ کہ اسی قسم کا ایک شعر بلا توقف نظم کرو۔ شعر یہ تھا۔

تعلّمت اسباب الرضا خوف سخطۃٖ　　وَعلّمہٗ حُبّی لہٗ کیف یغضب

تم نے عتاب کے خوف سے رضامندی کے ذرائع معلوم کر لئے ہیں۔ میری محبت نے اس کو بتا دیا ہے۔ کہ وہ کس طرح ناراض ہوتا ہے ۔

فضل نے بے ساختہ اس کے جواب میں کہا ؎

یُصَدُّ وادنو بالموَدّۃِ جَاھِدًا　　وَیَبعُدُ عَنّی بالوصالِ واقربُ

وہ تو رک رہتا ہے مگر میں ہمیشہ کوشش سے بہ سبب غلبہ محبت اس کے... [illegible] ملنا چاہتی ہوں۔ مگر وہ دور دور ہی رہتا ہے ۔

ردیف (گ)

گنا بیگم نام پرنہ جا بیئے۔ اُردو۔ فارسی اور عربی پر وہ عبور تھا کہ بڑے بڑے قابل امرداس کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ عالمگیر ثانی کے وزیر نواب عماد الملک غازی الدین خان کی بیوی اور علی قلی خان والہ داغستانی کی بیٹی تھی۔ سخن شعرا گلشن بے خار اور مشاہیر نسوان وغیرہ تذکروں میں آپ کے بے شمار اشعار فارسی و اُردو کے درج ہیں۔ تخلص شوخ تھا۔ اور اُردو میں میر قمر الدین منت میر سوز اور مرزا سودا سے وقتاً فوقتاً اصلاح لیتی رہی ہے۔ ایسی نازک بدن تھی۔ کہ اُسے اکثر تولا گیا۔ تو وزن ۹ سیر روپیہ سے زیادہ نہ نکلا۔ بیٹے کی جوانمرگی کا اس پر بڑا اثر ہوا۔ نواب نے ایک مرتبہ اپنے بیمار بیٹے کی خبر کے لئے بیگم کے پاس آدمی بھیجا۔ تو اس وقت اس کا لخت جگر انتقال کرچکا تھا۔ اس نے جواب میں اسی وقت یہ شعر لکھ بھیجا

ع

از حالِ ما مپرس کہ دل چاک کردہ ایم　　لخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ ایم

بیٹے کے غم سے اپنی سخت جانی اور اپنی پریشان حالی کے متعلق لکھتی ہے

ع

جگر پر سوز و دل پر خوں گریباں چاک و جاں بر لب　　قضا را شرم می آید ز سامانیکہ من دارم

۱؎ سخن شعراء (عبد الغفور نساخ سنہ تالیف سنہ ۱۲۹۱ھ) میں لکھا ہے تخلص منظر تھا۔ اور وہیں لکھے نزدیک گنا بھی۔ سخن شعرا میں گنا بیگم کے دو اُردو شعر بھی درج ہیں۔

ردیف (ل)

لطیفہ ہمدانیہ۔ ہارون رشید کے عہد کا واقعہ ہے۔ کہ ایک شریف عرب کی بیٹی لطیفہ ہمدانیہ کو اپنے شوہر کے ساتھ بدرجہ کمال محبت تھی۔ اس کے مرنے کے بعد صبح وشام اس کی قبر پر جاتی اور فاتحہ کے بعد پھولوں کی چادر قبر پر چڑھاتی جسے اپنے آنسوؤں سے تر کرتی ایک دن حسب معمول خاوند کی قبر پر اشک غمگین کے پھول چڑھا رہی تھی۔ کہ عرب کا مشہور شاعر و مورخ اصمعی معہ اپنے ایک ساتھی شاعر کے ادھر سے گذرا۔ وہ ایک نازنین کو ایک قبر پر خاموش بیٹھے دیکھ کر اس کے پاس گئے۔ لطیفہ نے نامحرموں کو دیکھ کر سر جھکا لیا۔ اصمعی نے پوچھا۔ اے نیکبخت! یہ کیا ماجرا ہے؟ اور اس حال میں کیوں ہے؟ لطیفہ نے جواب میں صرف یہ دو شعر بداہتہً پڑھ دیئے۔ جن سے اصمعی جیسا قادر الکلام شاعر حیران وششدر رہ گیا

فَاِنْ تَسْئَلَانِیْ فِیْمَ حُزْنِیْ فَاِنَّنِیْ
رَهِیْنَةُ هٰذَا الْقَبْرِ یَا فِتْیَانِ

اگر تم دونوں یہ پوچھتے ہو کہ میرا غم کیوں ہے؟ تو اے نوجوانو میں اس قبر کے ساتھ گرو ہوں

وَاِنِّیْ لَاَسْتَحْیِیْهِ وَالتُّرْبُ بَیْنَنَا
کَمَا کُنْتُ اَسْتَحْیِیْهِ حِیْنَ یَرَانِیْ

ہر چند ہمارے اس کے درمیان مٹی کا ڈھیر حاجب ہے۔ مگر میں اس سے

اب بھی اُسی طرح شرماتی ہوں جس طرح اس کی زندگی میں شرمایا کرتی تھی"

ردیف (م)

ماہ چوچک بیگم شہنشاہِ اکبر کے عہد میں ایک نامور خاتون گذری ہے جس نے کچھ عرصہ تک کابل جیسی شورش انگیز سرزمین پر جسن آئین حکومت بھی کی ہے۔ ۹۷۱ھ میں ابوالمعالی (اکبر کے ناز پروردہ مگر شوخ طبع امیر) نے اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے شاہی افواج سے جان بچا کر کابل میں آکر پناہ لی۔ اور بیگم کی خدمت میں ایک عرضی اپنے خلوص عقیدت کی لکھہ بھیجی۔ جس کے آخر میں یہ شعر تھا ؎

مابدیں در نہ پئے عزت و جاہ آمدہ ایم

از بد حادثہ ایں جا بہ پناہ آمدہ ایم

بیگم نے فوراً بلا بھیجا۔ اور رقعہ کی پُشت پر اپنے ہاتھ سے لکھا

ع کرم نماؤ فرود آکہ خانہ خانۂ تست

بیگم نے کچھ عرصہ کے بعد اپنی بیٹی کی شادی بھی اس سے کردی۔ مگر اس نمک حرام نے چندروزہ حکومت کے لالچ سے اس روشن دماغ بیگم کو فریب سے مار ڈالا۔

محبوبہ بصرہ کے رہنے والی خلیفہ متوکل کی جاریہ تھی۔ نہایت حسین نہایت پاک باز۔ پردہ دار اور فنِ شعر میں نہایت قابلہ تھی۔ ایک دن خلیفہ نے علی ابن جہم اپنے ایک بے تکلف رازدار سے کہا۔ میں

اس وقت فبیحہ (جاریہ) کے پاس سے آرہا ہوں۔ اُس نے غالیۂ (ایک قسم کی خوشبو) سے اپنے رُخسار پہ میرا نام لکھا ہے۔ بخدا اس سفید رخسار کے اُوپر اس سیاہ نام سے بڑھ کر میں نے کوئی چیز خوشنما نہیں دیکھی۔ تم اس کے متعلق کوئی شعر کہو۔ محبوبہ اُس وقت پس پردہ موجود تھی۔ اور یہ تمام ماجرا سُن رہی تھی۔ علی بن جہم نے خلیفہ کے ارشاد سے خدام سے دوات منگائی۔ ابھی خادم واپس ہی نہ آیا تھا۔ کہ محبوبہ نے پردہ کے پیچھے ہی سے فی البدیہہ کہا ؎

وَکَاتِبۃٍ بِالْمِسْکِ فِی الْخَدِّ جَعْفَرًا
بِنَفْسِی مَخَطُّ الْمِسْکِ مِنْ حَیْثُ اَثَّرَا

بہت سی ایسی ہیں جنہوں نے رخسار میں کستوری سے جعفر لکھ لیا ہے۔ اس کستوری کی تحریر پر میری جان فدا ہو۔

لَئِنْ کَتَبَتْ فِی الْخَدِّ سَطْرًا بِکَفِّھَا
لَقَدْ اَوْدَعَتْ قَلْبِیْ مِنَ الْحُبِّ اَسْطُرًا

اگر میں نے رخسار پر اسکے ہاتھ سے ایک سطر لکھی ہے۔ تو میرے دل میں بہت سی سطریں محبت کے سبب سے لکھی گئی ہیں۔

فَیَا مَنْ لِمَمْلُوْکٍ لِمَلِکٍ یَمِیْنُہٗ
مُطِیْعٌ لَہٗ فِیْمَا اَسَرَّ وَ اَظْھَرَا

بادشاہوں کا کون کفیل ہے جبکہ اس کے ہاتھ کی طاقت اس قدر ہے کہ ظاہر و باطن ہر ایک شے اس کی مطیع ہے۔

وَیَا مَنْ مُنَاھَا فِی السَّرِیْرَۃِ جَعْفَرٌ
سَقَی اللّٰہُ مَنْ سُقْیَا ثَنَایَاکِ جَعْفَرًا

جعفر اپنے بستر استراحت پر امن میں رہتا ہے۔ اللہ تعالٰی تیرے لعاب دہن سے جعفر کو سیراب کرے ۔

مریم - ابو یعقوب انصاری کی بیٹی اسشبیلیہ میں رہتی تھی۔ درس تدریس اس کا شغل تھا۔ معانی - بیان - بدیع - شعر اور ادب میں صاحب کمال تھی - بڑی بڑی رئیس زادیاں اس کی شاگردی کو اپنا فخر جانتی تھیں - ایک مرتبہ خلیفہ مہدی نے اس کو چند دینار کا نذرانہ اور یہ چند ورجبہ اشعار بھیجے

مَالِی بِشُکْرِ الَّذِی اَولیتِ مِنْ قبل
لَوْ اَنَّنِی حُزتُ نطق اللسن فی الحلل

اگر میں تمام زبانوں پر حاوی بھی ہو جاؤں - تو بھی میں تیرے احسانات کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا

یَا فَذۃ الظرف فِی ھٰذَا الزمانِ یا
وحیدۃ العَصْرِ فی الاخلاصِ والعملِ

اے اس زمانہ کی نادر الوجود ہستی اور اخلاص اور عمل میں یکتائے زمانہ

اشبھتِ مَرْیَا العذراءِ فِیْ ورعٍ
وقفت خنساءَ فی الاشعارِ والمثلِ

تو پرہیزگاری میں تو کنواری مریم کے مشابہ ہے - اور اشعار اور ضرب المثل میں خنساء کے ہم پلہ ہے ۔

مریم نے جواب میں لکھا

مَنْ اجَازِیکَ فِی قولٍ وفِی عملٍ

وَقَدْ بَدَوْتَ اِلٰی فَضْلٍ وَلَمْ تُسْئَلِ

قول اور عمل میں تجھے کون بدلہ دے سکتا ہے۔ تو نے فوری مہربانی کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ تجھ سے خواہش بھی نہیں کی گئی ؃

مَالِیْ بِشُکْرِ الَّذِیْ نَظَمْتَ فِیْ عُنُقِیْ
مِنَ اللَّاٰلِیْ وَمَا اَوْلَیْتَ مِنْ قِبَلِ

جو احسان تو نے کیا ہے۔ اور جو موتی میری گردن میں تو نے ڈالے ہیں اُن کا میں شکریہ ادا نہیں کر سکتی ؃

لکھا ہے۔ کہ یہ فاضلہ بہت بڑی عمر تک زندہ رہی ۲۰۰۰؁ کے بعد اس نے اس جہان سے انتقال کیا ؃

مہری ہرویہ۔ ایران کی ایک طرار شاعرہ مولانا عبدالرحمان جامی المتوفی ۸۹۹؁ھ کے عہد میں فرمانروائے ایران کی شمعِ شبستان تھی۔ ایک مرتبہ بادشاہ کو مہری کے متعلق کچھ شبہات پیدا ہوئے۔ اُسے قید خانہ بھیجدیا۔ مہری نے وہیں سے یہ رباعی لکھ کر بادشاہ کو بھیجی

؎

شہ کشتہ نہاد سرو سیمیں تن را — زیں واقعہ شیون است ہر مرد و زن را
افسوس کہ بر کمند نیاید سودن — پائے کہ دو شاخ بود صد گردن را

ایک مرتبہ مہری کی مُلّا جامی سے بگڑ گئی تو سرِ محفل کہا ؎

آں شاہِ مبارزاں دستگیر بُدنا — آزردہ شد دست دو عبدالرحمان
آں یک پسر ملجم و دیگر حبیب می — آں زخم ستان ز دست وایں تیغ زبان

مہری ہراتی ... تھی والی شاہرخ مرزا کے زمانہ میں گوہر شاد بیگم

کی مصاحبت میں رہتی تھی۔ ایک دن مہری بیگم کے پاس بالائے بام بیٹھی تھی۔ کہ اتفاقاً اس کے خاوند خواجہ حکیم عبدالعزیز کا پایان قصر میں گذر ہؤا۔ بیگم نے خواجہ کے بلانے کو آدمی بھیجا وہ عمر رسیدہ تھے۔ اور بیگم کے فرمان کی تعجیل منظور تھی۔ اوپر تک پہونچنے میں رعشہ وغیرہ سے عجیب عجیب حرکات اُن سے سرزد ہوئیں بیگم نے مہری کو حکم دیا۔ خواجہ کے حسب حال کچھ کہو۔ مہری نے کہا ؎

مرا با تو سرِ یاری نماندہ　　سرِ مہر و وفاداری نماندہ
ثرا از ضعفِ پیری قوت و زور　　چنانکہ پائے برواری نماندہ

بیگم نے مہری کو اس بذلہ سنجی پر معقول انعام عطا کیا ؏

مہستی ابن خطیب گنجوی کی بیوی اور نظامی گنجوی کی ہموطن تھی۔ اپنی قابلیت کی وجہ سے شاہِ سنجر کے دربار میں کمال رسوخ رکھتی تھی۔ فارسی تو مادری زبان ہی تھی۔ مگر شاعری اور بالخصوص بدیہہ گوئی میں خوب کہتی تھی ؏

ایک مرتبہ سلطان کی مجلس سے ہوا خوری کو نکلی دیکھا برف پڑ رہی ہے۔ واپس چلی آئی۔ سلطان نے سبب دریافت کیا۔ فی البدیہہ جواب دیا ؎

شاہا فلکت اسپِ سعادت زین کرد　　وز جملۂ خسرواں ترا تحسین کرد
تا در حرکتِ سمندِ زرّین نعلت　　بر گِل ننہد پائے زمیں سیمیں کرد

یعنی اے بادشاہ آسمان نے تیرے لئے سعادت کے گھوڑے پر زین باندھا ہے۔ تمام بادشاہوں میں تجھی کو سراہا ہے

تیرا گھوڑا جس کے سونے کے نعل بندھے ہوئے ہیں تاکہ چلنے پھرنے میں کیچڑ پر پاؤں نہ رکھے۔ اس کے لئے برف باری کرکے زمین چاندی کی بنادی ہے۔ بادشاہ نے خوش ہوکر چار دُرج گوہر اسے عنایت کیے۔ اس کی آزادروی سے ایک بوالہوس کو گستاخی کی جرأت ہوئی

اس نے جواب دیا اور کیا خوب دیا ؎

از من طمع وصال داری | الحق ہوسِ محال داری
وصلم نتواں بخواب دیدن | ایں چیست کہ در خیال داری
جائیکہ صبا گذر ندارد | آیا تو کجا مجال داری

مکتوم - حجاج بن یوسف گورنر حجاز نے اس حسینہ وجمیلہ جاریہ کو دو اور لونڈیوں کے ساتھ عبدالملک بن مروان کے حضور میں بمقام دمشق بھیجا۔ مکتوم کی قیمت اس کے فضل وکمال اور حسن وجمال کی وجہ سے ۵۰ ہزار دینار اور دوسری کنیزوں کی قیمت تیس تیس ہزار تھی۔ جو لوگ ان کو دمشق پہنچانے کے لئے ان کے ہمراہ گئے تھے۔ ان میں ایک نہایت خوبصورت جوان بھی تھا۔ رستے میں ایک فرحت افزا مقام پر جب پہلی یا دوسری منزل آئی۔ تو رات کے وقت جب کہ سب لوگ سوئے ہوئے تھے اور صرف وہ نوجوان جاگتا تھا مکتوم بے نقاب ہو گئی۔ وہ دیکھتے ہی وارفتہ ہو گیا۔ اور اسی وارفتگی کے عالم میں اُس نے یہ شعر کہے ؎

امکتوم عینی لا تمل من البکا | وقلبی باسھام الاسی متوشق
اے مکتوم میری آنکھ رونے سے نہیں تھکتی | اور میرا دل غم کے تیروں سے چھلنی ہو گیا ہے

امکتوم کم من عاشق قتل الھویٰ   وقلبی رھین کیف لا العشق

اے مکتوم کتنے ہی عاشق ہیں جن کو عشق نے ہلاک کر دیا ہے۔ میرا دل محبت میں گھرا ہوا ہے اور محبت کے اظہار پر میں مجبور ہوں۔

مکتوم نے اسی وقت جواب دیا۔

لوکان حقا ما نقول لزرتنا   لیلا اذا ھجعت عیون الحسّد

ان اشعار کا یہ اثر ہوا۔ کہ دونوں بھاگ جانے کو تیار ہو گئے۔ مگر ان کی آہٹ اور ساتھیوں کی آنکھ کھل جانے سے نوجوان گرفتار کر لیا گیا۔ اور پابہ زنجیر دمشق پہنچایا گیا۔

خلیفہ نے جب مکتوم کو افسردہ و پژمردہ ہی پایا۔ اور اس کی قیمت بھی پچاس ہزار دینار سُنی تو بہت ناراض ہوا۔ اور قیمت کی زیادتی کی وجہ دریافت کی۔ پاسبانوں نے ڈرتے ڈرتے راستے کا سارا ماجرا سنایا۔ اور اس نوجوان کو پابہ زنجیر خلیفہ کے رُوبرو لا کر کھڑا کیا۔ خلیفہ نے کہا اے نوجوان سچ کہہ۔ یہ حرکت تو نے ہماری تذلیل و تحقیر کے لئے کی ہے یا محبت کے جذبہ اور بے تابی سے مجبور ہو کر۔ نوجوان نے کہا امیر المومنین کی عزت و عظمت کی قسم ہے۔ کہ جو کچھ ہوا ہے۔ صرف بہ تقاضائے محبت ہوا۔ خلیفہ نے وہ کنیز اسی نوجوان کو بخش دی۔ وہ شادان و فرحان واپس روانہ ہو گئے۔ ابھی رستہ ہی میں تھے۔ کہ شادی مرگ ہو کر دونوں ایک ہی مقام پر ایک ہی وقت وفات پا گئے۔

ممتاز محل۔ ارجمند بانو بیگم نام اور ممتاز محل خطاب تھا۔ آصف جاہ کی بیٹی اور نور جہاں کی بھتیجی اور شاہجہان کی چہیتی بیوی تھی۔ عالمگیر اور اس

کے بدنصیب بھائی سب اسی کے بطن سے تھے۔ ایکبار شاہجہان تفریحاً لب دریا نیچر کے دلکش مناظر کی سیر کر رہا تھا۔ بیگم بھی موجود تھی شاہجہان نے امواج بحر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ؎

آب از برائے دیدنت مے آید از فرسنگہا

ممتاز محل نے فی البدیہہ جواب دیا ؎

از ہیبت شاہ جہاں سر میزند بر سنگہا

رسالہ خاتون (علیگڈھ) میں جناب سہروردیہ نے ممتاز محل اور شاہجہان کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ دونوں لب دریا سیر کر رہے تھے۔ دریا چڑھاؤ پر تھا۔ اس کی طغیانی کی طرف اشارہ کر کے شاہجہان نے کہا

ع سیل را امسال رفتارے عجب مستانہ ایست

ممتاز محل نے کہا

ع پائے در زنجیر و کف بر لب عجب دیوانہ ایست

ردیف (ن)

نورجہاں بیگم ایرانی النسل تھی۔ پہلے شیر افگن خان کی بیوی تھی۔ اس کے قتل کے بعد جہانگیر کے حرم سرا میں داخل ہوئی جو بچپن ہی سے

۱؎ مشاہیر نسواں میں یہ واقعہ جہانگیر اور نورجہاں کے متعلق درج ہے۔

۲؎ رسالہ بدیہہ گوئی میں یہ واقعہ سلمان شاعر اور ناصر بخاری کے متعلق درج ہے۔ چنانچہ وہاں پہلا مصرعہ اس طرح درج ہے "دجلہ را امسال رفتارے عجب مستانہ ایست"

اس پر جان دیتا تھا۔ نور جہان نہایت حسین و زیرک اور عالمہ و فاضلہ بیگم تھی۔ بادشاہ بیگم ہو کر اس کے جوہر چمکے۔ شاعری میں اس نے عجب طبیعت پائی تھی۔ اس کے اشعار نہایت سلیس اور معنے خیز ہوتے۔ عموماً فی البدیہہ کہتی اور اچھا کہتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا۔ کہ جہانگیر کی زبان سے کوئی مصرعہ نکلتا۔ تو دُوسرا مصرعہ یہ حاضر جواب پُورا کر دیتی تھی

ایک مرتبہ بادشاہ نے قبا پہنی۔ جو لعل کے تکموں سے مزین تھی۔ نور جہان نے دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

ترا نہ تکمہ لعل است در لباس حریر　　شد است قطرہ خونِ منتِ گریباں گیر

ایک مرتبہ آسمان پر دُمدار تارا نکلا۔ جسے عام طور پر منحوس سمجھا جاتا ہے بادشاہ محل میں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ کہ خواص کے مُنہ سے نکلا۔ دیکھو تو کیا لمبی شعاعیں ہیں۔ بیگم نے اُسی وقت یہ شعر پڑھا ؎

ستارہ نیست بدیں طوُل سر بر آوردہ

فلک بہ شاطرئے شاہ پر بر آوردہ

ایک مرتبہ نور جہاں اپنے سابقہ زمانہ اور اپنی معصوم لڑکی کے مقتول باپ شیر افگن خاں کا خیال کر کے رو رہی تھی کہ جہانگیر آ گیا۔ اور اس کے گریہ کا سبب پُوچھا اور کہا ع

گوہر ز چشمِ اشکبِ تو غلطیدہ مے رود

نور جہاں سے کب تاب ممکن تھی۔ فوراً کہا ع

آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ مے رود

سلیم شاعر نے ایک مرتبہ نور جہاں کے سامنے اپنی پریشان حالی کی شکایت کی اور کہا ؎

زشرم آب شدم کاب راشکستے نیست   بحیرتم کہ مرا روزگار چوں شکست

نورجہاں کی حاضر جوابی کے قربان جائیے۔ فی البدیہہ کہا اور خوب کہا "یخ بستہ بشکست"

ایک مرتبہ جہانگیر نے چشم غضب سے نورجہاں کی طرف دیکھا۔ نورجہاں نے آزردہ ہو کر جواب دیا ؎

ما تنگ ظرفاں حریف ایں قدر سختی نیم
دانۂ اشکیم و مارا گردش چشم آسیاست

جہانگیر نے ایک مرتبہ عید کا چاند دیکھ کر نورجہاں کی طرف دیکھا اور کہا ع
ہلال عید براوج فلک ہویدا شد

نورجہاں نے کہا ع
کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

ایک مرتبہ جہانگیر نے ایک نوعمر عورت کو دیکھا کہ نقاب ڈالے جارہی ہے۔ جہانگیر کی موزونیٔ طبع نے فوراً یہ مصرعہ کہا ع
معشوق خورد سالی بمارُوئے دہد

نورجہاں پاس ہی تھی۔ فوراً بول اٹھی ع
تا غنچہ است گل بہ کسے بوئے دہد

مشہور ہے کہ ایک دفعہ جہانگیر نے مشاعرہ کے لئے طرح دی۔
ع "دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود"

بہت شاعروں نے اس پر مصرعے لگائے۔ مگر کسی کا مصرعہ چست نہ نکلا۔ نورجہاں تک بھی یہ بات پہنچی۔ اُس نے کہا اس میں مشکل ہی کیا ہے۔ لکھو ع "بجز اشکِ بتانِ سرمہ آلود"

ایک مرتبہ فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ گرمی شدت سے پڑ رہی تھی۔ نورجہان نے کمال تپش کے اظہار کے طور پر فی البدیہہ کہا ؎

نیست فوارہ کہ بینی بر سر آب رواں
آب از گرمیٔ ایں فصل بر آوردہ زباں

ایک دفعہ جہانگیر کے منہ سے نکلا ع

از برائے سوزِ دل آتش ز طور آوردہ است[۱]

نورجہاں نے کہا ع

تاجرِ ما جنسِ درد از راہِ دُور آوردہ است[۱]

ایک دن اتفاق سے کسی کنیز کے ہاتھ سے آئینہ ٹوٹ گیا۔ یہ کنیز بڑی رمز شناس تھی۔ اس نے خیال کیا۔ اگر کوئی مصرعہ بنا کر لے جاؤں تو شاید بیگم میری خطا سے درگذرے۔ چنانچہ وہ گئی اور عرض کیا ع

از قضا آئینہ چینی شکست

بیگم نے جواب دیا ع خوب شد اسباب خود بینی شکست

[۱] بدیہہ گوئی میں یہ واقعہ عالمگیر اور زیب النساء کے متعلق درج ہے

جہانگیر ایک مرتبہ محلات شاہی میں تھا۔ نور جہاں بھی ٹہلتے ٹہلتے جہانگیر کے کمرہ میں آنکلی۔ جہانگیر نے کہا بیگم ایک مصرعہ ہوا ہے۔ اس کا دوسرا مصرعہ ذہن میں نہیں آتا۔ بیگم نے کہا۔ ارشاد۔ بادشاہ نے کہا ع

مے آید بغیر از گریہ دیگر کار از چشم

نور جہاں نے برجستہ جواب دیا ع

بلے از مردم بے دست و پا دیگر چہ مے آید

ایک مرتبہ جہانگیر باغ میں سیر کر رہا تھا۔ نور جہاں بھی ساتھ تھی۔ آگے چل کر دیکھا۔ مخدرات عُلیہ میں سے چار بیگمات ایک جگہ کھڑی ہیں۔ جہانگیر نے انہیں دیکھ کر کہا ع

ہر چار عناصر گرامی ہستند

نور جہاں نے اُسی وقت دوسرا مصرعہ موزوں کر کے سُنا دیا ع

شہ جان ہمہ ہمہ زشہ سر مستند

ایک مرتبہ جہانگیر خواب استراحت میں تھا۔ مُرغ نے بے ہنگام آواز دی۔ کنیز نے دھوکا کھا کر بادشاہ کو جگا دیا۔ جہانگیر نے دیکھا ابھی رات بہت باقی ہے۔ غصہ میں فرمایا "سر بُریدن لازم است" اور پھر سو گئے۔ کنیز مخبوط الحواس ہو گئی۔ بلکہ اس کو کامل یقین ہو گیا۔ کہ دن نکلنے کے ساتھ ہی میرا فیصلہ ہو جائے گا۔ ملکہ (نور جہاں) کے سامنے زار زار روئی۔ اور جو کچھ واقعہ گذرا تھا من وعن سُنا دیا۔ نور جہاں سُن کر خاموش رہی۔ جب دن چڑھا۔ بادشاہ نے کنیز کی طرف اشارہ کر کے نور جہاں سے کہا "سر بریدن لازم است" نور جہاں نے فوراً جواب دیا

سر بُریدن لازم است آں مرغ بے ہنگام را
ایں پری پیکر چہ داند وقت صبح و شام را

جہانگیر نے ملکہ کا یہ جواب سُن کر کنیز کا قصور معاف کر دیا۔

ایک مرتبہ نور جہاں نے جہانگیر کو ایک گلدستہ نرگس کے پھولوں کا پیش کیا۔ اور ایک جگہ یہ مصرعہ لکھ دیا ع

نیست نرگس چشم قدرت گرد شوقِ روئے تو

جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ تیرے دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ بادشاہ کا نام نور الدین تھا۔ جہانگیر نے اس کے نیچے لکھ دیا ع

کاش باشد نُور ہم در نرگسِ دل جوئے تو

یعنی اگر چشم نرگس میں نور ہو۔ تو اچھا ہے۔ دُوسرے معنے یہ ہیں۔ کہ کاش میں (نُور الدین) نرگس کی آنکھوں میں ہوتا۔

اس کے جواب میں نور جہاں نے یہ موزوں شعر فی البدیہہ کہا ؎

نُور را در چشم تو روزِ ازل جا دادہ اند
بنیم اندر پردہا پنہاں جمالِ روئے تو

ایک دفعہ جہانگیر نے نُور جہاں سے۔ اُس کے قدیم نام مہر النساء کی رعایت سے کہا ؎

با مہر و مہ کہ حُسن بجہانگیر دادہ اند
مہرت بہ لقب شاہ جہانگیر دادہ اند

نُور جہاں نے جواب دیا ؎

خورشید را کہ نور بجہانگیر دادہ اند
با مہر آستانِ جہانگیر دادہ اند

جہانگیر کی وفات کے بارہ برس کے بعد نورجہان نے سنہ ۱۶۴۶ھ میں وفات پائی۔ اور اپنے ناز بردار خاوند کے پہلو میں بمقام شاہدرہ (لاہور) دفن کی گئی۔

نُور بائی ۔ ایک عالمہ و فاضلہ طوائف محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں دہلی میں گذری ہے۔ جب نادر شاہ محمد شاہ کا زبردستی کا مہمان ہو کر دہلی آ پہنچا۔ اور وہاں عیش و نشاط کے جلسے ہونے لگے۔ تو نُور بائی کا گانا اس کو بہت پسند آیا۔ نادر شاہ نے اس کو ایران ساتھ لے چلنے کا ارادہ کیا۔ نُور بائی دل میں بہت ہراساں ہوئی۔ کہ اُس سنگدل بادشاہ کے تلطف کی امید موہوم پر کہیں وطنِ مالوف سے جدا نہ ہونا پڑے۔ نہ اقرار کر سکتی تھی نہ انکار کی تاب لا سکتی تھی۔ لیکن نہایت ذہین و حاضر جواب تھی۔ فوراً یہ اشعار اپنے حسبِ حال موزوں کر لئے۔ اور سر تسلیم خم کر کے ستار چھیڑا۔ اور دلکش آواز میں گانا شروع کیا۔

گر شمع جانگدازم تو صبحِ دلکشائی	سوزم گرت نہ بینم میرم چو رُخ نمائی
نزدیکت این چنینم دُور آنچناں کہ گفتم	نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جُدائی

نادر شاہ اس کے مطلب کو سمجھ گیا۔ اور اس کو ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

مولانا حالی اپنے دیوان کے مقدمہ شعر و شاعری میں اسی نور بائی کا ایک جگہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ نور بائی ایک دن نواب روشن الدولہ کے ہاں گا رہی تھی۔ نواب کو خبر ہوئی۔ کہ میراں سید بھیک جو دہلی کے ایک نامی صوفی مزاج بزرگ تھے۔ اور جن سے نواب کو

بہت عقیدت تھی۔ آرہے ہیں۔ نواب نے نور بائی کو دوسرے کمرے میں بھجوا کر چلمن چھڑوا دی۔ حضرت میراں سید بھیک اتفاق سے بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ نور بائی چلبلی طبیعت کی آزاد منش عورت تھی۔ بیتاب ہو کر باہر نکل آئی۔ اور حضرت میراں کے حضور میں جھک کر آداب بجا لائی اور کہا۔ لونڈی کو حکم ہو تو کچھ گائے۔ حضرت نے جواب تو نہ دیا۔ لیکن خاموش ہو رہے۔ نور بائی نے ایسی برجستہ رباعی گائی کہ محفل کا رنگ ہی بدل گیا ؎

شیخے بہ زنے فاحشہ گفتا مستی
کز خیر گسستی و بہ شر پیوستی
زن گفت چنانکہ مے نمائم ہستم
تو نیز چنانکہ مے نمائی ہستی

مولانا حالی لکھتے ہیں۔ اس برجستہ اور فی البدیہہ اور برمحل رباعی کے سننے سے شیخ کی حالت ایسی متغیر ہوگئی۔ کہ بائی کو اپنی جسارت پہ نادم ہونا پڑا۔ ہر چند نور بائی کو خاموش کر دیا گیا تھا۔ مگر حضرت کی شورش کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ وہ زمین پہ مرغ بسمل کی طرح لوٹتے تھے۔ اور دیواروں میں سر دے دے مارتے تھے۔ دیر تک یہی حال رہا اور بہت مشکل سے ہوش میں آئے +

ردیف (ہ)

ہند۔ ابو محمد عبداللہ بن مسلمہ کی جاریہ کا نام ہے۔ یہ شخص شہر شاطبہ (اندلس) کا ایک رئیس تھا۔ اور نامی شاعر تھا۔ خدا نے اس کو لونڈی بھی ایسی عطا کی جو نہایت سخن سنج اور سخن فہم تھی۔ ایک دن

ابو عامر بن حق نے ہند کو بلوانے کے لئے یہ منظوم رقعہ بھیجا ؎

یَا هِندُ هَل لَكِ فِي زِيَارَةِ فِتيَةٍ ۔۔۔ نَبَذُوا المَحَارِمَ غَيرَ شُربِ السَّلسَلِ

اے ہند! کیا تو ان جوانوں کی زیارت کرے گی جنہوں نے سب حرام چیزیں سوائے شراب کے چھوڑ دی ہیں؟

سَمِعُوا البَلَابِلَ قَد شَدَت وَافتَكَرُوا ۔۔۔ نَغَمَاتِ عُودِكِ فِي ثَقِيلِ الأَوَّلِ

بلبلوں کے چہچہوں نے ان کو تیرے عود کے نغمے یاد دلا دیئے ہیں۔

ہند نے بے ساختہ رقعہ کی پشت پر لکھ بھیجا ؎

يَا سَيِّدًا أَخَذَ العُلَا عَن سَادَةٍ ۔۔۔ شُمِّ الأُنُوفِ مِنَ الطِّرَازِ الأَوَّلِ

اے سردار جس نے بڑی اونچی ناک والے اوّل درجہ کے شرفا کی بزرگی جمع کر لی ہے

حَسبِي مِنَ الإِسرَاعِ نَحوَكَ أَنَّنِي ۔۔۔ كُنتُ الجَوَابَ مَعَ الرَّسُولِ المُقبِلِ

تیری طرف میری کافی زود رسی یہ ہے کہ میں خود جواب بن کر پیغامبر کے ساتھ آؤں۔

متفرقات

(۱)

عہد تیموریہ میں ایک مجہول الاسم خاتون فن شعر گوئی میں شہرہ آفاق تھی۔ تیمور نے اس کی شہرت سنکر دربار شاہی میں اُسے طلب کیا۔ اور کمال شاعری دکھانے کی فرمائش کی اُس نے فی البدیہہ

یہ رباعی موزون کی ؎

بہ جگا مہ کہ لڑکاں آفریند ترا زانجمد سلطان آفریند
برائے بر دمن گوئے سعادت خم پائے تو چوگاں آفریند

(۲)

خلیفہ مامون رشید کے پاس ایک مرتبہ ایک شخص ایک لونڈی بغرضِ فروخت لایا۔ اور اس کے علم و فضل کی وجہ سے دو ہزار دینار سُرخ اس کی قیمت بیان کی۔ خلیفہ نے کہا۔ میں ایک شعر پڑھتا ہوں۔ اگر یہ اس کا جواب فی البدیہہ دے۔ تو میں اس کی مقررہ قیمت سے بھی کچھ زیادہ دُونگا۔ شعر یہ تھا ؎

مَاذَا تَقُولِیْنَ فِیمَن شَفّهُ اَدَفٌ مِنْ جُهْدِ حُبّكِ حَتّٰی صَارَ حَیْرَانَا

کیا کہتے ہو تم اس شخص کی نسبت جو دُبلا ہو گیا ہو اور بیدار رہا ہو تیری محبت کی سختیوں سے۔ یہاں تک کہ حیران ہو گیا ہو۔

کنیز نے برجستہ جواب دیا ؎

اِذَا وَجَدْنَا مُحِبًّا قَدْ اَضَرَّبِهٖ دَاءُ الصَّبَابَةِ اَوْلَیْنَاهُ اِحْسَانَا

جس وقت کہ پایا ہم نے ایسے دوست کو کہ نقصان پہنچایا ہو اسکو مرضِ محبت نے۔ ہم اُس کے ساتھ بہت اچھا احسان کریں گے۔

(۳)

کسی موزون طبع امیر زادہ نے ایک عورت کو دیکھا۔ کہ سر کے بال دھو کر نچوڑ رہی ہے۔ اور پانی کے قطرات موتیوں کی طرح گر گر کر ٹوٹ رہے ہیں۔ اس نے فوراً یہ مصرعہ موزون کیا ع

کونسی وہ چیز ہے جو ہار بنے اور ٹوٹ جائے

دُوسرا مصرعہ موزوں نہ ہوسکا۔ گھر میں دو بیبیاں تھیں۔ دونوں شاعر۔ اُن سے مصرعۂ ثانی موزوں کرنے کی فرمایش کی۔ ایک نے کہا ع

قطرۂ شبنم کا ہے جو گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

دُوسری نے کہا اور بالکل واقعہ کی کیفیت پیش کر دی ؎

جب نچوڑے دھو کے اپنے بال پانی طشت میں
آتے آتے طشت تک گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

(۴)

شیخ سعدی کا نام سُن کر دُور دُور سے لوگ آتے۔ اور اُن کے کلام معجز نما سے اپنی روحانی پیاس بجھاتے۔ ایک مرتبہ چند اہل عراق بھی شیخ کے یہاں پہنچے۔ شیخ کا خس پوش مکان اور اسکی بےسرو سامانی دیکھ کر سخت بیدل اور بدعقیدہ ہو گئے۔ شیخ مکان میں نہ تھے۔ اُن کی بیٹی کے پاس یہ شعر لکھ کر بھیجدیا اور کہلا بھیجا کہ وہ آئیں تو دیدینا ؎

سعدیا شیراز یا نامت بس است چوں بدیدم خانہ از خار و خس است

لڑکی نے اندر سے جواب لکھ کر بھیجا ؎

قافلہ رفتند و ما ہم مے رویم از برائے چند روزہ ایں بس است

(۵)

ایک مرتبہ ایک امیر زادہ نے اپنی بیوی کے دونوں ابرُوؤں کے بیچ میں مصنوعی خال دیکھ کر کہا ع

خالے کہ درمیانِ دو ابرو فتادہ است

بہت مغز مارا لیکن دوسرا مصرعہ موزوں نہ ہوسکا۔ آخر بیوی ہی سے کہا

کہ یہ مصرعہ موزوں ہوا ہے دُوسرا خیال میں نہیں آتا۔ بیوی نے کہا ع
زاغے نشستہ ہیں کہ دو بازو کشادہ است

(۶)

ایک بادشاہ نے ایک مرتبہ اپنی بیگم سے اُس کی بے اعتنائی اور سرد مہری کی شکایت کی۔ بیگم نہایت سنجیدہ مزاج تھی اُس نے اپنے حسب حال ایک شعر پڑھا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ میں وہ نہیں ہوں کہ وقت ناوقت نعرہ بلند کروں۔ میں بُلبل بے زبان کی طرح ہُوں۔ میرا حالِ دل کسی پر نہیں کھُلتا۔ بادشاہ نے جواب میں یہ شعر موزوں کیا ؎

بُلبل نیم کہ شور کنم دردِ سر دہم
پروانہ ام کہ سوزم و دم بر نیاورم

بیگم نے بھی شعر میں جواب دیا ؎

پروانہ من نیم کہ بیک شعلہ جاں دہم
شمعم کہ شب بسوزم و دم بر نیاورم

(۷)

ایک مرتبہ ایک بادشاہ بیگم ایک گلدستہ لئے بیٹھی تھی۔ بادشاہ کا سامنے سے گذر ہوا۔ ملکہ نے اُٹھ کر وہ گلدستہ پیش کیا۔ بادشاہ نے کہا ؎

بگو اے عاشقِ صادق چرا گلدستہ آوردی
دلِ بلبل شکستی غنچہ را سر بستہ آوردی

بیگم نے جواب دیا ؎

نہ بہر زیب دستی تو ایں گلدستہ آوردم
بہ خوبی لاف مینزد گل بہ پیشت بستہ آوردم

(۸)

ہارون رشید کے پاس ایک کنیز[1] تھی۔ جس سے وہ خفا ہو گیا تھا۔ اور اُس کو چھوڑ دیا تھا۔ اتفاق سے ایک دن محل شاہی میں رات کے وقت اس پر نظر پڑ گئی۔ دل بے قابو ہو گیا۔ اُس نے اُس سے عرض کیا۔ اتنے دنوں کی ناراضگی اور مفارقت کے خیال سے مجھ کو یہ امید ہرگز نہ تھی کہ میرے نصیب جاگیں گے۔ اتنی مہلت دیجئے کہ آپ کی مصاحبت کے قابل بن سکوں۔ انشاء اللہ صبح کو شرف حضوری حاصل کروں گی۔ صبح ہوئی۔ ہارون رشید نے انتظار کیا۔ مگر وہ نہ آئی۔ مایوس ہو کر خود اس کے پاس گیا۔ اور وعدہ خلافی پر شرم دلائی۔ اس نے جواب میں ایک برجستہ مصرعہ کہا۔ جو عرب میں ضرب المثل ہو گیا ہے۔ اور جس پر ہارون کے درباری شعراء رقاشی مصعب اور ابو نواس وغیرہ نے مصرعے لگائے اور پانچ پانچ ہزار اور دس دس ہزار روپے کے انعام حاصل کئے ہیں۔ وہ برجستہ جواب یہ ہے ؎

کَلَامُ اللَّیْلِ یَمْحُوہُ النَّہَارُ
رات گئی بات گئی

(۹)

[1] مدیہہ گوئی بحوالہ نفحۃ الیمن۔

عرب کا مشہور شاعر اصمعی کہتا ہے۔ ایک مرتبہ میں حج کو جارہا تھا۔ ایک عورت کو ہودج میں سے یہ شعر پڑھتے سُنا ؎

وَحیاۃِ حاجتہٖ الیَّ وفقرہٖ — فلأبلینَّ نعیمَہٗ بعذابہٖ
ولأمنعنَّ جفونَہٗ طیبَ الکریٰ — ولأمزجنَّ دموعَہٗ بشرابہٖ

یعنی جتنی محبت اس کو میرے ساتھ اور میری خواہش اُسے ہے اُسی کی قسم کھا کے کہتی ہوں کہ اُس کی زندگی کو اُس کے لئے عذاب کر دوں گی۔ اُس کی آنکھوں پہ میٹھی نیند حرام کر دوں گی۔ اُس کو شراب کے بدلے آنسوؤں کے گھونٹ پلاؤں گی اور خوب سا رُلاؤں گی۔

اصمعی کہتا ہے۔ ہودج کے قریب جا کے میں نے پوچھا۔ آخر اُس بیچارہ نے کیا قصور کیا؟ فی البدیہہ یہ جواب ملا ؎

کَتَمَ باحَ باسمی بعدَ ما کتمَ الھویٰ — زمناً وکانَ صیانتی ادنیٰ بہٖ
وحیاتہٖ لو انّہٗ کتمَ الھویٰ — بلغَ المنا دیقاہٗ تحتَ ثیابہٖ

یعنی ایک زمانہ تک تو اُس نے محبت کو چھپایا۔ پھر مجھے کیسا بدنام کر دیا۔ میری آبرو کا لحاظ رکھنا اُس کو مناسب تھا۔ اُسی کی زندگی کی قسم۔ اگر وہ رازِ محبت کو چھپائے رکھتا۔ تو بغیر جد و جہد اپنی مُراد کو پہنچ جاتا۔

(۱۰)

ایک دولتمند صاحبِ نعمت کے پاس ایک لونڈی تھی جس کو فنِ شاعری و موسیقی میں مہارت کامل تھی۔ آقا اور لونڈی میں بہت محبت تھی۔ مگر زمانہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا قسمت کی

برگشتگی سے وہ وقت بھی آیا۔ کہ کئی کئی دن فاقے سے گذرنے لگے مالک نے ایک دن لونڈی سے کہا۔ تیری مصیبت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ چاہتا ہوں کسی ایسے شخص کے پاس تجھے بیچ دوں جو تجھ سے اچھا سلوک کرے اور جس مصیبت میں تو گرفتار ہے اُس سے بھی تجھ کو نجات دلائے۔ اور ممکن ہے کہ میرا ہاتھ بھی کشادہ ہو جائے۔ لونڈی نے کہا۔ خدا کی قسم! اس حالت سے تو مرجانا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آپ اگر اسی میں خوش ہیں۔ تو میں حاضر ہوں؀

چنانچہ وہ شخص اُس باہنر لونڈی کو ابن معمر امیر عراق کے پاس لے گیا۔ "ثمر الادب" میں بحوالہ کتاب استجاد لکھا ہے۔ کہ امیر نے اُس کو ایک لاکھ درہم۔ دس گٹھڑیاں پارچات۔ دس گھوڑے اور دس غلام دیکر یہ عجوبۂ روزگار لونڈی اس سے خرید لی۔ امیر نے داروغہ کو حکم دیا۔ کہ لونڈی کو حرم سرائے میں داخل کردو۔ جب داروغہ اس کو لیجانے لگا۔ تو اُس نے اپنے لائق آقا کو مخاطب کرکے یہ اشعار پڑھے۔ جو اسی وقت حسب حال اس نے موزون کئے تھے ؎

هَنِیْئاً لَکَ الْمَالُ الَّذِیْ قَدْ اَخَذْتَہٗ — وَلَمْ یَبْقَ فِیْ کَفِّیْ غَیْرُ التَّفَکُّرِ
اَقُوْلُ لِنَفْسِیْ وَھِیَ فِیْ کُرُبَاتِہَا — اَقِلِّیْ فَقَدْ بَانَ الْحَبِیْبُ اَوِ اکْثِرِیْ
اِذَا لَمْ یَکُنْ لِلْاَمْرِ عِنْدَکَ مَوْضِعٌ — وَلَمْ تَجِدِیْ بُدًّا مِنَ الصَّبْرِ فَاصْبِرِیْ

جو مال تو نے لیا ہے تجھے مبارک ہو میرے پاس تو سوائے تیری یاد کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ دل درد میں گرفتار ہے (اسلئے کہ) خواہ تھوڑا یا زیادہ بہر حال وہ دوست جدا ہوگیا ہے اے میرے آقا) جب رات کا موقعہ تیرے

قابو میں نہ ہو اور سوائے صبر کے کوئی چارہ نظر نہ آئے تو صبر کر۔
لونڈی کے مالک پر ان اشعار کا بڑا اثر ہوا۔ اُس نے بھی چشم پُرنم فی البدیہہ جواب دیا ؂

وَلَوْلَا قُعُوْدُ الدَّهْرِ بِیْ عَنْكِ لَمْ یَكُنْ
یُفَرِّقُنَا شَیْءٌ سِوَى الْمَوْتِ فَاعْذُرِیْ

اَرُوْحُ بِهَمٍّ مِنْ فِرَاقِكِ مُوْجِعٍ
اُنَاجِیْ بِهٖ قَلْبًا قَلِیْلَ التَّصَبُّرِ

عَلَیْكِ سَلَامٌ لَا زِیَارَةَ بَیْنَنَا
وَلَا وَصْلَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ ابْنُ مَعْمَرٍ

اگر میرا مقدر مجھ سے کوتاہی نہ کرتا۔ تو کوئی چیز سوائے موت کے میرے اور تیرے درمیان جدائی نہ ڈال سکتی۔ مجبوراً تیرے دردِ جدائی سے غمناک جاتا ہوں۔ اور دلِ مضطرب سے آہستہ آہستہ تیری باتیں کرتا ہوں۔ خدا تجھے سلامت رکھے۔ اب تیری اور میری ملاقات مشکل ہے البتہ ابن معمر اگر چاہے تو ہو سکتی ہے۔

ابنِ معمر پر بھی ان فی البدیہہ اشعار اور ان دونوں کی باہمی محبت کا بڑا اثر ہوا۔ جو کچھ دیا تھا۔ وہ بھی انہی کو بخش دیا۔ اور دونوں کو بہ اعزاز و اکرام رخصت کر دیا۔ وہ ابن معمر کو دعائیں دیتے ہوئے واپس آ گئے ؛

(۱۱)

خاندان برامکہ کی علمی فیاضیاں اسلامی تاریخ کا روشن اور درخشاں حصہ ہیں۔ سلاطین ان کی سی ہر دلعزیزی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے سے کام نہیں کر سکتے تھے۔ جعفر برمکی ہارون رشید کا وزیر تھا اس کی فیاضیاں اس کے باپ اور دادا پر بھی سبقت لے گئی تھیں۔ المبرامکہ میں لکھا ہے۔ کہ ایک مجمع میں ہزار شعراء موجود تھے جعفر نے سب کو ایک ایک ہزار درہم انعام دیا۔ ان کے علاوہ ان کی ایسی عدیم النظیر

فیاضیوں کا ذکر ہے۔ کہ اس قحط الرجال کے زمانہ میں ان پر یقین آنا بھی مشکل ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص جعفر کی ہجو لکھ کر لاتا ہے جعفر نہ صرف اس کا قصور ہی معاف کر دیتا ہے۔ بلکہ پانچ ہزار دینار دے کر اُسے رخصت کر دیتا ہے۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں۔ ایک دفعہ سفر حجاز میں جب جعفر کا قافلہ وادی عقیق میں پہنچا۔ تو ایک عورت قبیلہ بنی کلاب کی جعفر کے سامنے حاضر ہوئی جس نے برجستہ یہ دو شعر پڑھ کر اپنی بداہت و ذہانت کا ثبوت دیا ہ

إِنِّیْ مَرَرْتُ عَلَى الْعَقِيْقِ وَأَهْلِهٖ ... يَشْكُوْنَ مِنْ مَطَرِ الرَّبِيْعِ نُزُوْرَا

مَا ضَرَّهُمْ إِذْ جَعْفَرٌ جَارٌ لَهُمْ ... أَنْ لَا يَكُوْنَ رَبِيْعُهُمْ مَمْطُوْرَا

" عقیق اور عقیق والوں پر میرا گذر ہوا۔ وہ مینہ کے کم ہونے کے شاکی تھے۔ جعفر جس کا ہمسایہ ہو اسکو اس کی کیا پروا ہے کہ مینہ نہ برسے "

جعفر نے ان فی البدیہہ یہ اشعار کو سن کر اس عورت کو کثیر انعام دیا۔ جس سے وہ خوش خوش رخصت ہوگئی۔

(۱۲)

عرب کے کسی ظریف نے اپنی بیوی کے سامنے جو اپنے خاوند کی طرح سخن فہم اور سخنور تھی عورتوں کی مذمت میں یہ شعر پڑھا ہ

إِنَّ النِّسَاءَ شَيَاطِيْنٌ خُلِقْنَ لَنَا

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ الشَّيَاطِيْنِ

" بعض عورتیں اپنی شرارت کی وجہ سے ہمارے حق میں شیطان ہیں

اور ہم ان شیطانوں سے جو ہمارے لیئے پیدا کی گئی ہیں پناہ مانگتے ہیں؟ یا عورت بھی اُدھار رکھنے والی نہیں تھی۔ اس نے فوراً جواب دیا۔

اِنَّ النِّسَاءَ رِیَاحِیْنَ خُلِقْنَ لَکُمْ
وَکُلُّکُمْ تَشْتَھِی شَمَّ الرِّیَاحِیْنِ

"یعنی عورتیں خوشبو کے پھول ہیں جو تمہارے لئے پیدا ہوئے ہیں اور تم سب کے سب پھولوں کے سونگھنے کے خواہشمند ہو"

(۱۳)

اصمعی فاضل عرب کہتا ہے۔ کہ میں نے ایک میوہ فروش کی دوکان پر جو پرندوں کا گوشت بھی بیچا کرتا تھا چند نہایت حسین عورتوں کو دیکھ کر یہ آیت پڑھی " وَفَاکِھَۃٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَھُوْنَ وَحُوْرٌ عِیْنٌ کَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَکْنُوْنِ "

اصمعی کا مقصد یہ تھا۔ کہ یہاں بھی جنت کی طرح پسندیدہ میوے اور پرندوں کے گوشت اور سفید رنگ کی بڑی آنکھ والی عورتیں موجود ہیں۔

ایک عورت نے جواب دیا۔ اے شخص آیت تو پوری پڑھی ہوتی اور وہ یہ ہے " جَزَاءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ " یعنی یہ سب نعمتیں بدوں کے لئے نہیں بلکہ نیک کرداروں کے لئے ہیں۔

(۱۴)

امین الرشید خلف ہارون رشید نے اپنے وکیل کو ایک خوبصورت لونڈی خریدنے کے لئے بھیجا۔ وکیل نے ایک نہایت حسین عورت

خریدی۔ اتنے میں ایک اور سوداگر اُس سے بھی ایک اچھی لونڈی لے آیا۔ اس کا مالک اس کو بیچ کر ابھی نکلا ہی تھا۔ کہ ایک اور شخص ان دونوں سے بھی زیادہ صاحب کمال حسین لونڈی لے آیا۔ دکیل نے تینوں کو خلیفہ کے رُوبرو پیش کر دیا۔ خلیفہ نے لونڈیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ بتاؤ تم تینوں میں سے کس کو خریدا اور پسند کیا جائے پہلی لونڈی نے یہ آیت پڑھی ور وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ یعنی پہل رسبقت، کرنے والے مقدم ہیں۔ دُوسری نے کہا، حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ یعنی تمام نمازوں کی عموماً اور بیچ والی کی خصوصاً حفاظت کرو۔ تیسری نے کہا" وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى" یعنی پچھلی چیز پہلی سے بہتر ہے خلیفہ نے لونڈیوں کی حاضر جوابیوں اور اُن کی ذہانت و قابلیت سے خوش ہو کر تینوں کو خرید لیا۔[۲]

(۱۵)

مائی رابعہ شامیہ حضرت احمد بن ابی الحواریؒ کی اہلیہ تھیں۔ بڑی عابدہ وزاہدہ بغیر تسبیح و ذکر الہی کے کھانا نہیں پکاتی تھیں۔ علم و فضل میں بھی وجہ

---

[۱] لطائف تاریخی و علمی مطبوعہ لاہور میں اسی واقعہ کے متعلق صرف دو لونڈیوں کا ذکر ہے۔ اور پہلی لونڈی کا جواب والسابقون السابقون کی جگہ "الفضل للمتقدم" لکھا ہے۔

[۲] مجموعہ لطائف مطبوعہ دہلی حصہ لطائف الملوک۔

رکھتی تھی۔ ایک دن یادِ الٰہی میں سر بسجود بیٹھی تھیں۔ اُن کے خاوند آئے اور کہا کس طرح میں بیٹھی ہو۔ رابعہ نے جواب دیا ؎

وَلَقَدْ جَعَلْتُکَ فِی الْفُؤَادِ مُحَدِّثِی ۔ وَاَبَحْتُ جِسْمِیْ مَنْ اَرَادَ جُلُوْسِیْ
فَالْجِسْمُ مِنِّیْ لِلْجَلِیْسِ مُؤَانِسٌ ۔ وَحَبِیْبُ قَلْبِیْ فِی الْفُؤَادِ اَنِیْسِیْ

"تحقیق میں نے تجھ کو اپنے دل میں محدث بنا لیا ہے۔ یعنی حدیثِ عشق اور راز و نیاز محبت کے مزے اپنے دل میں آپ سے ہی لیتی رہتی ہوں اور میں نے اپنے جسم کو تو ہر ایک شخص کیلئے جو میرا ہم جلیس و ہمنشین بننا چاہے وقف و مباح کر دیا ہے مگر میرا دل صرف آپ ہی کیلئے محفوظ ہے اس میں آپ کے سوا کسی کی محبت نہیں"

بانیٔ رابعہ کے خاوند حضرت احمد بن ابی الحواریؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ خوفِ الٰہی جو اُن پر غالب آیا تو بے ساختہ کہنے لگیں ؎

وَزَادِیْ قَلِیْلٌ لَا اَرَاہُ مُبَلِّغِیْ ۔ اَلِلزَّادِ اَبْکِیْ اَمْ لِطُوْلِ مَسَافَتِیْ
اَتُحْرِقُنِیْ بِالنَّارِ یَا غَایَةَ الْمُنٰی ۔ فَاَیْنَ رَجَائِیْ مِنْکَ اَیْنَ مَخَافَتِیْ

"یعنی میرا توشۂ راہ تھوڑا ہے اور دیکھئے اس تھوڑے سے زادِ راہ کے ساتھ میں کس طرح منزلِ مقصود تک پہنچ سکوں گی اور یہ زادِ راہ تھوڑا سا ہے اور سفر دور دراز ہے۔ کیا اپنی بے سروسامانی پر روؤں یا اپنے دور و دراز سفر کیوجہ سے گریہ و زاری کروں"

غلبۂ محبتِ الٰہی کے متعلق انکے خاوند کی زبانی انکے دو اشعار جسے کہ لطائف بعد اشعار بھی نظر سے گذرے ؎

حَبِیْبٌ لَیْسَ یَعْدِلُہٗ حَبِیْبٌ ۔ وَمَا لِسِوَاہُ فِیْ قَلْبِیْ نَصِیْبٌ
حَبِیْبٌ غَابَ عَنْ بَصَرِیْ وَشَخْصِیْ ۔ وَلٰکِنْ عَنْ فُؤَادِیْ لَا یَغِیْبُ

"وہ محبوب ایسا بے نظیر و بے عدیل ہے کہ کوئی معشوق اسکی برابری نہیں کر سکتا۔ اور میرے دل میں اسکے سوا کسی غیر کیلئے کچھ بہرہ اور گنجائش نہیں ہے وہ محبوب اگرچہ میرے جسم اور چشم ظاہر سے پوشیدہ و غائب ہے لیکن میرے دل سے وہ دور نہیں ہے" (تمام شد)

ملنے کا پتہ: یہ کتاب اور دیگر قسم قسم کی کتابیں چشتی کتب خانہ ... سے بھی بآسانی مل سکتی

سربکف عورتیں

محبِ وطن خواتینِ ہند

دیباچہ۔ فخرِ پنجاب لالہ لاجپت رائے جی جس میں اور حاضرہ کی ۳۲ ایسی ہندو مسلمان سکھ اور دیگر ہندوستانی
محبِ وطن خواتین کے حالات، سوانحات عمر اور ملکی جذبات سے لبریز خیالات ولولہ انگیز اور موثر پیرایہ
میں درج ہیں جنہوں نے اپنے ملک و ملت کو غلامی سے ابدی نجات دلانے کیلئے ہر مصیبت ہر مشکل اور ہر تکلیف
کو عین راحت تصور کیا۔ اور اپنے بھائیوں بیٹوں خاوندوں کے جیل میں جانے اور ان کے زباں بند اور
نظر بند ہونے کو ملک کی دائمی آزادی کا ذریعہ سمجھا ہے۔

فہرست مضامین:۔

اُم الاحرار آبادی بانو بیگم صاحبہ والدہ مولانا محمد علی و شوکت علی۔ بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو آف
حیدر آباد دکن۔ بیگم صاحبہ مولوی ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار۔ شریمتی اُتم دیوی (مکتسر فیروزپور) شریمتی کرتار دیوی
(سیالکوٹ) خدیجہ بیگم صاحبہ بی۔ اے (بھوپال) مسز حاجی یوسف توبانی (بمبئی) مسز جے پی پٹیٹ۔
(ایک پارسی لیڈی) بمبئی۔ شریمتی وید کماری (لودھیانہ) ایک بیوہ ماں کی مسرت اپنے بیٹے کی گرفتاری پر
شریمتی لکشمی جی (کلکتہ) ایک ضعیف ماں کی اشیرباد اپنے بیٹے کو۔ شریمتی سورج بائی سنی لال جی
بمبئی۔ ایک ۸۲ سالہ جواں ہمت عورت۔ شریمتی لجیاوتی نہرو (الہ آباد) شریمتی جمنا دیوی (متھرا) اُمتہ
الرؤف بیگم صاحبہ ایک گاڑیبان کی بوڑھی ماں۔ شریمتی رام دیوی (یو۔ پی) بنت صغرا صاحبہ (فتح
آبادی) ایک محب وطن کی بوڑھی ماتا۔ شریمتی سیتا دیوی (پنجاب) بیگم صاحبہ مولوی ظفر الملک
(لکھنؤ) شریمتی ستیہ وتی (یو۔ پی) ز۔ خ۔ ش صاحبہ (علیگڈھ) شریمتی پاربتی دیوی (سیوا آشرم
امرتسر) شریمتی رنجیت کور (فیروزپور) سعادت بانو بیگم صاحبہ فخر ملک و قوم ڈاکٹر کچلو (امرتسر)
احمدی بیگم صاحبہ نجیب آبادی۔ شریمتی چودھرانی سرلا دیوی بی۔ اے لاہور شریمتی کرشنا کماری سنتانم
لاہور شریمتی ارجیلا امال (مدراس)۔ حجم ۱۴۴ صفحہ $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۱۶}$ سائز قیمت فی جلد ۹ر